وآت ذا القربیٰ حقہ ۰

اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت



تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

اسلام میں
صلہ رحمی کی اہمیت

تالیف
حضرت مولانا محمد علی جانباز

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

مسلک کتاب وسنت کے فروغ کے لئے کوشاں

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

مکتبہ قدوسیہ

ناشر ______ ابوبکر قدوسی

اشاعت ______ دسمبر 2001ء

مطبع ______ موٹروے پریس

MAKTABA QUDDUSIA

REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE - PAKISTAN. Ph: 7351124 - 7230585
Fax: 92 - 42 - 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

والدین کے حقوق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق کا بیان

ہر مسلمان ایماندار پر شرعاً دو طرح کے حقوق ثابت ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العبار ان دونوں قسم کے حقوق کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور عدم ادائیگی پر قیامت کے دن مواخذہ ہوگا۔ اللہ تعالی کے حقوق وہی ہیں جو اس نے اپنے انبیاء و رسلؑ کی زبان پر عبادات و طاعات میں فرض کئے ہیں اور ان کے ترک پر عذاب الیم کی وعید سنائی ہے۔ اس میں ارکان اسلام وغیرہ داخل ہیں۔

رہے حقوق العباد تو وہ بہت ہیں لیکن یہاں ہم ان حقوق میں سے صرف تین حقوق کا ذکر کریں گے۔

(۱) حقوق الوالدین (۲) حقوق الاولاد (۳) میاں بیوی کے حقوق (۴) حقوق الاقارب

جہاں تک اللہ تعالی کے حقوق کا تعلق ہے۔ تو وہ غفور اور رحیم ہے۔ اپنے حقوق کے لئے مسامحت بھی فرمائے گا کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ مگر حقوق العباد کی معافی تب ہی ہوگی۔ جبکہ صاحب حق معاف کرے گا لہذا زیادہ خوف و خطرہ انہی حقوق کے ترک کرنے میں ہے۔ مومن کامل وہی ہوتا ہے، جو ہر حقدار کا حق پورا پورا ادا کرتا ہے۔ ماں

باپ ہو یا بیوی بچے جس نے یہاں اپنے ظلم و زیادتی کی معافی کرالی وہ اچھا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائے گا اور قیامت کے روز جس پر کسی کا حق ثابت ہو گیا تو وہ بچ نہ سکے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا۔

"مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَسْتَحْلِلْ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ (بخاری ص ۸۶۵ ج ۲)

یعنی جس کسی کا کوئی ظلم اپنے بھائی پر ہے عزت و آبرو یا کسی اور چیز کا، تو آج اس سے معاف کرالے، قبل اس کے کہ نہ دینار ہوگا اور نہ درہم اگر اس کا کوئی عمل صالح ہوگا تو بقدر ظلم لے لیا جائے گا۔ اور اگر اس کے اعمال صالح نہ ہوئے تو اس کے بھائی کے برے اعمال اس پر لادے جائیں گے۔

دوسرے مرفوع الفاظ اس طرح ہیں۔

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ، (مسلم ص ۳۲۱ ج ۱۶)

یعنی قیامت کے دن حق والوں کے حقوق دلائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی سے لیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ حق ایک ایسی اہم چیز ہے کہ حیوان کو بھی اس سے نجات

نہیں ملے گی۔ حالانکہ وہ بے شعور محض تھا۔ پھر انسان کا کیا ذکر ہے جو کہ عقل و شعور رکھتا ہے۔ تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لاَ دِرْهَمَ لَه ُ وَ لاَمَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّاتِیْ يَومَ الْقِيَامَةِ بِصلٰوةٍ وَ صِيَامٍ وَ زَكٰوةٍ وَ يَاتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ اَكَلَ مَالَ هٰذَا وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطیٰ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰی مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَا هُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم ص ۱۳۵ ج۲)

تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ کہا مفلس ہم میں وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ روپیہ ہے نہ سامان۔ فرمایا مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ، زکوۃ لیکر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی پر تہمتِ زنا لگائی ہو گی اور کسی کا مال خورد برد کرلیا ہوگا، اور کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پھر اس کو اس کی حسنات دیں گے اسی طرح دوسرے کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر وہ حسنات ادائیگی سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان کی خطائیں لے کر اس شخص پر ڈال دی جائیں گی۔ پھر اس کو آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس حدیث میں دلیل ہے اس بات پر کہ حقوق العباد کا مؤاخذہ بہت سخت ہوگا۔ کوئی یہ سمجھے کہ نماز، روزہ اور زکوۃ بجالانے سے حقوق العباد کا مطالبہ نہ ہوگا تو یہ اس کی غلط فہمی ہے بلکہ حقوق و مظالم کے عوض مذکور کی ساری حسنات مظلوم کو دی جائیں گی۔ یہ تہی دست رہ جائے گا اور اگر حسنات باقی نہ رہیں تو مظلومین و اہل حقوق کی سیئات اس کے گلے باندھ کر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقوق العباد میں نہ عفو ہوگا اور نہ سفارش ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالی مظلوم کو راضی کردے۔ لہذا حدیث ابو امامہ میں فرمایا ہے :۔

اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَذْهَبَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَا غَيْرِهِ (ابن ماجہ ص ۳۱۲ ج ۲)

اللہ کے نزدیک سب سے بدتر درجہ میں قیامت کے دن وہ بندہ ہوگا جس نے اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے پیچھے برباد کردی ہوگی۔

حدیث سابق میں تینوں طرح کے حقوق کا ذکر فرمایا تھا جان، مال، آبرو۔ اس لئے کہ ان ہر ۳/سہ امر کا ایک ہی حکم ہے۔ جیسے کسی کا جان سے مار ڈالنا ہے ویسا ہی اس کا مال چھین لینا ہے خواہ غصب سے لیا ہو یا چوری سے یا فریب سے یا کسی اور طرح سے۔ ایسا ہی اس کی آبرو ہے اور اس حدیث میں اجمالاً یہ فرمایا ہے کہ حقوق کے ضائع کرنے میں غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت کا ضائع کرنا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

اَلدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ، دِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ، وَ دِيْوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللّٰهُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِيْوَانٌ لَا يَعْبَأُ اللّٰهُ بِهٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ فَذَالِكَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَ اِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ، (شعب الایمان)

صحیفہء اعمال تین طرح پر ہیں ایک وہ ہے جس کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا وہ شرک باللہ ہے اللہ تعالی نے کہا کہ اللہ شرک کو نہ بخشے گا اور جو گناہ شرک کے علاوہ ہے وہ جس کو چاہیے گا بخش دے گا۔ دوسرا صحیفہ وہ ہے جس کو اللہ ہر گز نہ چھوڑے گا وہ آپس میں بندوں کا ظلم ہے یہاں تک کہ بعض کا حساب بعض سے کرے گا۔ تیسرا صحیفہ وہ ہے جس کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں ہے وہ بندوں کا اپنے اور اللہ کے درمیان ظلم ہے۔ اس کا اختیار اللہ کو ہے چاہے عذاب کرے چاہے در گزر فرمائے۔

یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات پر کہ حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ ان کا بدلہ ظالم کو ضرور ملے گا اکثر لوگ اللہ کے حقوق تو کم ضائع کرتے ہیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ بجالاتے ہیں لیکن حقوق العباد کی کچھ پرواہ نہیں کرتے حالانکہ بڑے خوف کا

مقام یہی حق العبد ہے پس ان حقوق العباد کے ضائع ہونے سے حقوق خدا بھی کچھ نفع بخش نہیں ہوتے۔ اس لیئے کہ حقوق کے عوض وہ حسنات مظلوم کو مل جائیں گی یہ مفلس رہ جائیگا۔ جب بالکل بے حسنات ہو گیا تو اب سوائے جہنم کے کہیں ٹھکانا اس کا باقی نہ رہا۔ یہ حقوق انہی تین چیزوں سے متعلق ہیں جان، مال، آبرو۔ سو بہ نسبت جان کے ظلم کے مال کا ظلم زیادہ واقع ہوا کرتا ہے دنیا سے امانت اٹھ گئی خیانت رہ گئی مال جس طرح سے ہاتھ آتا ہے حرام خالص ہو یا مشتبہ، اس کے لینے میں کسی کو کچھ دریغ نہیں ہوتا بلکہ تحصیلِ مال کے لئے ہزار مکر و حیلہ و فریب کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عقلمند اور جس کا مال کھا جاتے ہیں اس کو بیوقوف سمجھتے ہیں لیکن قیامت میں یہی ظالم احمق ٹھریں گے اور مظلوم اپنا حق لیکر عقلمند ہو جائے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔

پھر جو شخص قتل واخذِ مال بالباطل سے بچ جاتا ہے تو وہ آبروریزی سے کسی طرح محفوظ نہیں رہتا۔ ضرور کسی کو مارتا ہے کسی کو گالی دیتا ہے کسی پر تہمت لگاتا ہے کسی پر افتراء باندھتا ہے تو ایسا شخص اور قاتل اور حرام خور گناہ میں برابر ہے اور جزا میں یکساں۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ان تینوں معاملوں کا ایک حکم رکھا ہے بغیر کسی فرق کے یہ تینوں معاملات حق ہونے میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اور اللہ تعالی کسی کا حق ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:۔

اِیَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَاِنَّمَا یَسْأَلُ اللّٰهُ تَعَالٰی حَقَّهٗ وَ اِنَّ

اللّٰهَ لاَ یَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهُ، (شعب الایمان)

مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کیونکہ اللہ اپنے حق کا تو فقط سوال ہی کرے گا پھر چاہے پکڑے یا چھوڑ دے مگر حقدار کو اس کے حق سے محروم نہ رکھے گا۔ اس کا حق ظالم سے ضرور ہی دلوایگا۔

اسی لیے حضرت عمرؓ کی مرفوع حدیث میں ہے :۔

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَومَ الْقِیَامَةِ (مشکوۃ ص ۴۳۴ ج ۲)

قیامت کے دن ایک ظلم کئی اندھیروں کا موجب ہوگا

حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث کے مرفوع الفاظ اس طرح ہیں :۔

اِنَّ اللهَ لَیُمْلِی الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَهُ لَمْ یُفْلِتْهُ، (مشکوۃ ص ۴۳۴ ج ۲)

اللہ تعالی ظالم کو مہلت و ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے چھوڑتا نہیں۔

یعنی دنیا میں بھی وہ مصائب کی لپیٹ میں آجاتا ہے آخرت تو الگ رہی۔

آتش سوزاں نکند باسپند   آنچہ کند دود دل دردمند

ظلم اور حقوق العباد کے ضیاع کی مذمت سے کتاب و سنت لبریز ہیں یہ گناہ جس قدر سخت و درشت ہے اور جس قدر انجام اس کا برا ہے اتنا ہی یہ لوگوں کی نظر میں کم ہوگیا ہے۔

والدین کی خدمت اور حقوق کے سلسلہ میں قرآنی آیات

حقوقِ صلہ رحمی کی اہمیت :۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ حقوق صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرے حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کے سب سے زیادہ حقدار آدمی کے والدین ہوتے ہیں انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآنِ پاک میں جو آیات آئی ہیں پہلے وہ ملاحظہ فرمائیں،

(۱) وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْرًا ☆ (بنی اسرائیل۔ ۲۳۔ ۲۴)

فیصلہ کیا تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں

باپ سے بھلائی کرو اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تیری موجودگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہہ اور نہ ان کو جھڑک۔ اور کہہ ان کو بات ادب کی اور جھکا ان کے لیے عاجزی کا پہلو پیار سے اور کہہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا۔

اس جگہ بھی اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ ادب و احسان کو اپنی عبادت کے بعد ذکر کیا ہے اسی طرح ہر جگہ ان کے حق کو اپنے حق کے بعد تمام مخلوق کے حقوق پر مقدم کیا ہے۔ یہ حقوق والدین کے کمال اعتناء و اہتمام پر دلیل ہے۔ پھر یہاں تک ادب سکھایا کہ والدین کے روبرو اف بھی نہ کہو اور انکے ساتھ سخت کلامی سے پیش نہ آؤ بلکہ نرم بات کرو اور عاجزانہ اور خاکسارانہ برتاؤ رکھو۔ اور ان کے لئے دعاگو رہو۔ والدین کے ساتھ احسان کو اللہ تعالی نے واجب فرمایا ہے اب جو کوئی اس حکم کی مخالفت کرے گا وہ اللہ کا نافرمان ہوگا۔ اور والدین کا بھی نافرمان ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالی اپنی عبادت کے ترک پر باز پرس کرے گا اسی طرح ترک احسان اور بے ادبی والدین پر بھی مؤاخذہ کرے گا۔

فتح البیان (ص ۳۷۷ ج ۲) میں اس آیت کے نیچے کہا ہے کہ لفظِ قضی سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے قطعی و حتمی فیصلہ کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے بجائے قضی کے وصی پڑھا ہے قضی اس جگہ بمعنی اوجب واجب کیا ہے احسان سے مراد اس جگہ برّ (نیکی) ہے اس کو عبادت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ والدین کے حقوق کی تاکید ہوجائے۔ اسی طرح دوسری

آیت میں اپنے شکر کو والدین کے شکر کے ساتھ ملایا ہے پھر حالت بعد بڑھاپے کو بالتخصیص ذکر کیا کیونکہ والدین کو اس حالت میں اولاد کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ حالت اجتماع و انفراد میں ان کے ساتھ رہے۔ حسین بن علیؓ سے مرفوعاً روایت ہے

لَوْ عَلِمَ اللهُ شَيْئًا مِّنَ الْعُقُوْقِ اَدْنٰى مِنَ اُفٍّ لَحَرَّمَهُ

(یعنی اگر کوئی بے ادبی یا گستاخی اف سے بھی کم تر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی حرام کر دیتے) اصمعی کہتے ہیں:

اِسْتَعْمَلُوْهُ فِيْ كُلِّ مَا يَتَاَذَّوْنَ بِهٖ (یعنی عرب ہر تکلیف دہ چیز پر "اُف" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔)

ابن اعرابی نے کہا:۔

اِنَّ الْاُفَّ الضَّجْرُ (یعنی "اُف" ڈانٹ ڈپٹ کو کہتے ہیں)

قتیبی نے کہا: ذَكَرُوْهُ عِنْدَ كُلِّ مَكْرُوْهٍ يَصِلُ اِلَيْهِمْ

(یعنی ہر ناگوار چیز پر عرب اف کا لفظ بولتے ہیں)

شوکانیؒ نے کہا ہے:

وَبِهٰذَا النَّهْيِ يُفْهَمُ عَنْ سَائِرِ مَا يُؤْذِيْهِمْ بِفَحْوَى الْخِطَابِ اَوْ لَحْنِ كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِي الْاُصُوْلِ

اس نہی سے ہر اس چیز کی نہی (ممانعت) ہو جاتی ہے جو والدین کو گفتگو یا اندازِ گفتگو سے تکلیف دہ ہو۔

لفظ نہر بمعنی ضجر و غلظت ہے۔ قول کریم سے مراد کلام نرم و لطیف:

جمیل، سہیل، جس میں ادب و حیاء و احتشام (شان و شوکت) کی آمیزش ہو۔ محمد بن زبیر نے کہا یعنی جب والدین پکاریں تو لبیک سعدیک کہو۔ بعض نے کہا یا اماہ یا ابتاہ کہو۔ نام و کنیت سے نہ پکارو۔ خفض جناح سے مراد خضوع و تذلل ہے جس طرح کہ غلام اپنے تند خو مالک کے سامنے خاکساری کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے لئے دعا کرو گو رات دن میں پانچ بار ہی کیوں نہ ہو۔ شوکانیؒ فرماتے ہیں :۔

وَلَقَدْ بَالَغَ سُبْحَانَهُ فِي التَّوْصِيَةِ بِالْوَالِدَيْنِ مُبَالَغَةً تَقْشَعِرُّ لَهَا جُلُوْدُ اَهْلِ الْعُقُوْقِ وَ تَقِفُ عِنْدَهَا شُعُوْرُهُمْ حَيْثُ افْتَتَحَهَا بِالاَمْرِ بِتَوْحِيْدِهٖ وَعِبَادَتِهٖ ثُمَّ شَفَعَهَا بِالْاِحْسَانِ اِلَى الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ ضَيَّقَ الْاَمْرَ فِي مُرَاعَاتِهِمَا حَتّٰى لَمْ يُرَخِّصْ فِي اَدْنٰى كَلِمَةٍ تَنْفَلِتُ مِنَ الْمُتَضَجِّرِمَعَ مُوْجِبَاتِ الضَّجَرِ وَمَعَ اَحْوَالٍ لاَ يَكَادُ الْاِنْسَانُ يَصِيْرُ الاِنْسانُ مَعَهَا وَاَنْ يَذِلَّ وَ يَخْضَعَ لَهُمَا ثُمَّ خَتَمَهَا بِالْاَمْرِ بِالدُّعَاءِ لَهُمَا وَالتَّرَحُّمِ عَلَيْهِمَا وَ هٰذِهٖ خَمْسَةُ اَشْيَاءَ كُلِّفَ الاِنْسَانُ بِهَا فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ وَ قَدْ وَرَدَ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ ثَابِتَةٌ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَ غَيْرِهِمَا وَ هِيَ

مَعْرُوْفَةٌ فِی کُتُبِ الْحَدِیْثِ

اللہ تعالی نے والدین سے حسنِ سلوک میں ایسا مبالغہ کیا ہے جس سے نافرمانوں کے بدن کانپ اٹھیں اور ان کے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں۔ اللہ تعالی نے خدمت والدین کو اپنی توحید و عبادت سے شروع کیا پھر احسان والدین کو اس سے ملایا پھر ان کے ادب و لحاظ میں اتنی سختی کی کہ ان کی کسی ناگوار بات پر معمولی کلمہ نکالنے کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ ان کے سامنے عاجزی و انکساری کا حکم دیا۔ پھر ان کے حق میں دعا کا حکم دے کر بات کو ختم کر دیا۔ یہ پانچ چیزیں ہیں کہ انسان کو والدین کے حق میں جن کا مکلّف کیا ہے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے مسئلہ پر بہت سی احادیث ہیں جو بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں (مزید استفادہ کے لیے ان کو دیکھا جاسکتا ہے)۔

ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ قضٰی بمعنی امر و وصیت ہے۔ اف سے مراد یہ ہے کہ ان کو کوئی بری بات نہ سنائے یہاں تک کہ تافیف (اف) بھی نہ کرے کیونکہ یہ بھی ہلکے درجے کی گستاخی ہے اور نہر (جھڑکنا) سے مراد یہ ہے کہ تجھ سے کوئی برا فعل ان کے حق میں صادر نہ ہو بلکہ قول حسن و فعل عمل میں آئے مراد قول کریم سے لین (نرم) طیب، حسن ہے وہ بھی ادب و احترام اور تعظیم و توقیر کے ساتھ، خفض جناح سے مراد فعل میں تواضع ہے اور دعائے رحمت سے مراد دعا

کرنا بڑھاپے میں اور موت کے بعد، حدیث مِقدامؓ بن معدیکرب میں فرمایا ہے :۔

اِنَّ اللّٰہ یُوْصِیْکُمْ بِآبَائِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُوْصِیْکُمْ بِاُمَّھَاتِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُوْصِیْکُمْ بِاُمَّھَاتِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُوْصِیْکُمْ بِاُمَّھَاتِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُوْصِیْکُمْ بِالاَقْرَبِ فَالاَقْرَبِ (ابن ماجہ ص ۲۵۶ج ۲ واحمد ص ۱۳۲ج ۴)

نبی علیہ السلام نے والد کیساتھ احسان کا ایک مرتبہ فرمایا اور ماں کے ساتھ تین مرتبہ۔

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے پوچھا۔

ھَلْ اَدَّیْتُ حَقَّھَا (کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے) فرمایا لَا وَلَا بِزَفْرَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ کَمَا قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البزار)

ابھی تو ماں کی ایک تکلیف کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔ (اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد ص ۱۳)۔

توحید کے بعد والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم

تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت میں اور حقوق کے متصل والدین کے حقوق کو بیان فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات اور انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اس کے والدین کے ہیں کیونکہ عام اسباب میں وہی اس کے وجود کا سبب ہیں اور آفرینش سے لے کر اس کے جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں ان سب میں بظاہر اسباب ماں باپ ہی اس کے وجود اور پھر اس کے بقاء و ارتقاء کے ضامن ہیں اسی لئے قرآن کریم میں دوسرے مواقع میں بھی ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے متصل بیان فرمایا گیا ہے۔

۲ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (سورہء لقمان آیت ۱۴)

میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا۔

حدیث میں آیا ہے۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (مشکوٰۃ ۲۶۱ ج ۱)

جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا"۔

معلوم ہوا کہ احسان اور نیکی کرنے والے کا شکر ضرور ادا کرنا چاہئے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ کی خلقت میں سے کسی کا احسان اس قدر نہیں ہے جس قدر کہ والدین کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر اس بات پر کہ اس نے ایک قطرہ آب سے انسان بنا کر بے حد انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ماں باپ کا شکر اس بات پر کہ انہوں نے بڑی محنت و مشقت سے پالا۔ اگر وہ توجہ نہ کرتے تو یہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی لیے حقوق العباد میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہے

تفسیر فتح القدیر میں لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے احسان بالوالدین کو اپنی عبادت کے بعد ذکر کیا۔ اور کئی وجوہات کی بنا پر ان کے حق کو اپنے حق کے ہمراہ و ہمدوش ذکر فرمایا۔ ایک وجہ یہ کہ جس طرح والدین اولاد کی پرورش کا سبب ہیں اسی طرح اولاد کے وجود کا بھی سبب ہیں۔ اور ایجادِ الٰہی کے فیضان کا بھی ایک سبب ہیں۔ اور یہ مرتبہ سوائے ماں باپ کے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر کوئی تعلیم و تربیت کا سبب بنتا ہے تو وہ وجود کا سبب نہیں ہوتا۔ اسی لیئے کسی کا انعام، اللہ کے انعام کے بعد والدین کے انعام سے زیادہ نہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ والدین کا انعام خدا کے انعام کے مشابہ ہے کیونکہ یہ اس انعام کی کسی قسم کا بدلہ یا شکر نہیں چاہتے برعکس اس انعام کے جو اور

لوگ کرتے ہیں کیونکہ وہ انعام ضرور کسی طرح کی غرض اور مطلب سے آلودہ ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالی اپنے بندے پر احسان کرتے ہوئے نہیں اکتاتے اگرچہ بندہ عاصی و گناہگار ہو اسی طرح والدین بھی اپنی اولاد پر شفقت کرنے سے نہیں اکتاتے اگرچہ اولاد نا خلف و نالائق ہی کیوں نہ ہو۔

چوتھی وجہ یہ کہ والدین اپنی اولاد کے حق میں ہر خوبی کی آرزو کرتے ہیں بلکہ اس میں کمال درجہ کی ترقی چاہتے ہیں اور کسی خوبی پر حسد نہیں کرتے اور یہ خاصیت سوائے والدین کے کسی میں نہیں ہوتی۔

پانچویں وجہ یہ کہ والدین کو واحد حقیقی کے ساتھ کمال مناسبت ہے جس طرح مرتبہ خدائی میں سوائے ایک ذات واحد مقدس کے کسی اور کی گنجائش نہیں اسی طرح مرتبہ پدری و مادری میں سوائے ایک ماں باپ کے کوئی اور نہیں آسکتا۔ شیخ محمد شاہد نے رسالہ قُوتُ المحبین یں اس جگہ کی مناسبت سے بڑی خوب بات لکھی ہے۔

اِنَّ الاِبْنَ يَسْتَنْكِفُ اَنْ يُنْسَبَ اِلَى اَكْثَرَ مِنْ اَبٍ وَاحِدٍ كَذَالِكَ يَنْبَغِيْ لِلْعَبْدِ اَنْ يَّسْتَنْكِفَ مِنْ اَنْ يُّذْكَرَ اَكْثَرَ مِنْ رَّبٍّ وَاحِدٍ

جس طرح بیٹے کو اس بات سے عار آتی ہے کہ وہ ایک باپ سے زیادہ

کی طرف منسوب ہو اسی طرح بندے کو چاہیئے کہ ایک رب سے زیادہ کی طرف منسوب ہونے سے عار محسوس کرے۔

الغرض والدین کی تعظیم سب ادیان و شرائع میں واجب ہے تمام کتب سماوی تورات، انجیل، زبور اور فرقان میں یہی حکم ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک کرو۔ ان کے حقوق، اور تعظیمات کا خیال رکھو۔ والدین کی محبت اولاد کے ساتھ ذاتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بے عقل حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ محبت انسان میں نہ ہو تو پھر وہ حیوان سے بھی بدتر ہے بلکہ ماں باپ اگرچہ کافر یا فاسق، فاجر ہوں تب بھی اولاد کو ان کے ساتھ لطف و احسان ہی کرنا چاہیئے بلکہ لطف و احسان کرنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احسان بالوالدین کو قرآن و حدیث میں ایمان کی قید کے بغیر ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے مشرک والد کے ساتھ حسنِ سلوک سورہ مریم میں تشریح کے ساتھ مذکور ہے۔

جب حضرت **حنظلہ**رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد ابو عامر راہب کے قتل کی اجازت چاہی تو اجازت نہ ملی۔ اس کے کافر ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل سے منع فرمایا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ بیٹا اگر باپ کو قتل کرے گا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن اگر والد اپنے بیٹے کو قتل کرے تو قصاص نہ ہوگا۔ گو آخرت کا معاملہ باقی رہے گا۔

اللہ تعالی نے لفظ والدین میں ماں باپ دونوں کو شامل کیا ہے پھر

لفظ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ الخ میں بالتخصیص ماں کا حق زیادہ بتایا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ماں کی خدمت کا حق والد کی خدمت سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض اکابر علماء نے کہا ہے کہ ماں سے نیکی کرنا والد سے نیکی کرنے کی بہ نسبت چالیس گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے گذشتہ احادیث میں بھی ماں کا ذکر تین مرتبہ آیا ہے۔ پھر باپ کا۔ اس سے باشارۃ **النص** ماں کے حق کی زیادتی، باپ کے حق پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس زیادتی کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مشقتِ حمل ۲۔ محنت ولادت

۳۔ مصیبت رضاعت ۴۔ تکلیف تحمل بول وبراز، وغیرہ

فقہاء کہتے ہیں کہ والدہ کا حق بہ نسبت والد کے زیادہ ہے اور احسان بالام احسان بالوالد کی بہ نسبت اوجب و مؤکد تر ہے۔

۳۔ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِی اِسْرَائِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلاَّ اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا، (بقرہ آیت ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا

ان مذکورہ دونوں آیتوں میں والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو یا ان کی خدمت کرو بلکہ لفظ احسان لایا جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت ان کے نان و نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں اور یہ بھی داخل ہے، کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق

جسمانی خدمات انجام دیں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو بلکہ ان کو آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو تب بھی اولاد کے لئے بدسلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

۴۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ☆ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (سورہء لقمان۔ ۱۴)

اور یہ حقیقت ہے، کہ ہم نے انسان کو اسکے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔

موضح القرآن میں ہے کہ اللہ تعالی نے شرک کے بعد اور تمام نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق رکھا ہے یعنی اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہمیں ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے حکم کی بجا آوری کرنا اور ان کے حق کا خیال کرنا اللہ تعالی کی وصیت ہے۔ پھر خاص کرماں کے حق کو اس لئے ذکر کیا کہ اس کی تکلیف بہ نسبت باپ کے حمل و فصال، (دودھ پلانا) کی صورت میں بہت زیادہ ہے لہذا جس کی تکلیف زیادہ اس کا حق بھی زیادہ ہے۔ پھر اپنے شکر کے بعد والدین کے شکر کا مطالبہ کیا۔ اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم نے والدین کے حقوق و شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو میری ہی طرف تمہیں آنا ہے میں تمہیں تمہاری کوتاہی کی سزا دونگا۔ پھر شرک کو اس وصیت سے مستثنٰی کیا کہ سب امور میں تم پر انکی اطاعت واجب ہے مگر اس میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ لیکن دیگر امورِ دنیا میں تم ان کی اطاعت سے نہ نکلو۔ مگر ضابطے اور قاعدے کے مطابق ان کا ساتھ دو اور ان کو نہ چھوڑو۔ (اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد ص ۱۸)۔

اس آیت میں والدین کے حقوق اور ان کی شکر گزاری کا حکم دیا گیا تو اس کی حکمت یہ بتلا دی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقاء میں بڑی محنت برداشت کی ہے کہ نو مہینے تو اس کو اپنے شکم میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف

پر تکلیف بڑھتی گئی اس کو برداشت کیا پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی جس میں ماں کو خاصی محنت بھی شب و روز اٹھانی پڑتی ہے اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے اور چونکہ پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے اس لئے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

اسلام کا بے نظیر قانونِ عدل: ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو اپنے ماں باپ کی اطاعت اور شکر گزاری کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور اپنی شکر گزاری اور اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری اور اطاعت کا حکم دیا۔ لیکن شرک ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے۔ کہ وہ ماں باپ کے کہنے سے اور مجبور کرنے سے بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا اگر کسی کو اس کے والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا ماننا بھی جائز نہیں۔ تو طبعی طور پر انسان حد پر قائم نہیں رہتا اس پر عمل کرنے میں اس کا امکان تھا کہ بیٹا والدین کے ساتھ بد کلامی اور بد خوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے اسلام ایک قانونِ عدل ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہے۔ اس لئے شرک میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کے حکم کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا کہ :۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ،

یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی

جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلا ضرورت دل آزاری ہو مطلب یہ ہے، کہ ان کے شرک و کفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کی دل آزاری ہو گی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔

۵۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورہء عنکبوت-۸)

ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے۔ کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔

یہ آیت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ ۱۸۔۱۹ سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور صحابہ کرام میں سے ان ۱۰/دس حضرات میں شامل ہیں جن کو آپؐ نے بیک وقت جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ جن کو عشرہء مبشرہ کہا جاتا ہے یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار اور ان کی راحت رسانی میں بڑے مستعد تھے۔ ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ (ابو سفیان کی بھتیجی) کو جب معلوم ہوا کہ

بیٹا مسلمان ہو گیا ہے۔ تو انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم پھر اپنے آبائی دین پر واپس نہ آجاؤ یا میں اسی طرح بھوک پیاس سے مر جاؤں اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمہارے سر رہے۔ کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ اس آیت قرآنی نے حضرت سعدؓ کو ان کی بات ماننے سے روک دیا۔

(ابن کثیر ص ۳۰۹ ج ۵)

بغوی کی روایت میں ہے، کہ حضرت سعدؓ کی والدہ ایک دن رات اور بعض اقوال کے مطابق تین دن تین رات اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہی حضرت سعدؓ حاضر ہوئے ماں کی محبت و اطاعت اپنی جگہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی اس لئے والدہ کو خطاب کر کے کہا اماں جان اگر تمہارے بدن میں سو روحیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں میں اس کو دیکھ کر کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔

مذکورہ واقعہ سے ثابت ہوا کہ ماں باپ اگر اولاد کو کفر و شرک پر مجبور کریں تو اس میں ان کی اطاعت ہرگز نہ کی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (مسند احمد ص ۴۰۹ ج ۱)

خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

حضرت نواب صدیق الحسن خاں مرحوم لکھتے ہیں:۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کو اپنی وصیت قرار دیا ہے اس سے کمال درجہ کی تاکید احسانِ والدین کے بارہ میں ثابت ہوتی ہے احسان میں نیکی کی تمام انواع و اقسام داخل ہیں۔ ان میں سے ایک اطاعت والدین ہے دینی اور دنیاوی تمام معاملات میں خواہ واجبات ہوں۔ یا مستحبات یا مباحات، سوائے شرک کے۔ اگر ماں باپ ایسے امر کا حکم دیں جس میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا پڑتا ہو تو اس کام میں ان کی اطاعت اولاد پر واجب نہیں ہے سوائے شرک باللہ کے تمام امور میں انکی اطاعت بعد عبادت خدا کے مقدم ہوتی ہے یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے صرف والدین کے لئے خاص کی ہے کوئی دوسرا حق والا اس مرتبہ میں والدین کا شریک نہیں ہے۔ (اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد ص ۱۷)

۶۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ والصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء-۳۵)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے اجنبی ہمسایہ سے پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ

میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔

حقوق کے بیان سے پہلے توحید کا ذکر کیوں: حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت اور توحید کا مضمون اس طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔

بیانِ حقوق سے پہلے مضمون عبادت اور توحید کو ذکر کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے حقوق کا اہتمام نہ ہو تو اس سے دنیا میں اور کسی کے حقوق کے اہتمام کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے، برادری، سوسائٹی کی شرم یا حکومت کے قانون سے بچنے کے لئے ہزاروں راہیں ڈھونڈ لیتا ہے، وہ چیز جو انسان کو انسانی حقوق کے احترام پر حاضر و غائب مجبور کرنیوالی ہے وہ صرف خوفِ خدا اور تقویٰ ہے اور یہ خوف و تقویٰ صرف توحید ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے مختلف تعلقات اور رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کی یاد دہانی مناسب تھی،

توحید کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر: اس کے بعد تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے متصل والدین

کے حقوق کو بیان فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات و انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اس کے والدین کے ہیں، کیونکہ عام اسباب میں وہی اس کے وجود کا سبب ہیں، اور آفرینش سے لے کر اس کے جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں ان سب میں بظاہر اسباب ماں باپ ہی کے وجود اور پھر اس کے بقاء اور ارتقاء کے ضامن ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں دوسرے مواقع میں بھی ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے متصل بیان فرمایا گیا ہے،

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں اول اللہ کا حق ادا کرو پھر ماں باپ کا، پھر ان سب کا درجہ بدرجہ، ہمسایہ قریب کا حق زیادہ ہے اور ہمسایہ اجنبی کا اس سے کم، برابر کا رفیق، جو ایک کام میں ساتھ شریک ہو، جیسے ایک استاد کے دو شاگرد، یا ایک خاوند کی دو بیویاں یا ایک مالک کے دو نوکر، پھر فرمایا ان کے حق ادا نہ کرنے والا وہی ہے جس کے مزاج میں تکبّر و خود پسندی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حق کے بعد سب سے مقدم حق ماں باپ کا ہے جس نے ان کے حق کو ادا نہ کیا وہ کسی کے حق کو ادا نہ کرے گا:۔ (موضح القرآن)

۷۔ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ

شَیْئًا وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (انعام - ۱۵۱)

اے ہمارے حبیب پاک ﷺ ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں (۱) یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) اور والدین کے ساتھ نیک، سلوک کرو۔

سورہء انعام کی مذکورہ آیت اور اس کے بعد کی آیت میں دس حرام چیزوں کا بیان ہے۔ جن میں پہلی چیز شرک ہے اور دوسرے ماں باپ کی نافرمانی ہے۔

آیت مذکورہ میں "تَعَالَوْا" کا ترجمہ ہے آجاؤ اور اصل میں یہ کلمہ ایسے وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی بلانے والا بلند جگہ کھڑا ہو کہ نیچے والوں کو اپنے پاس بلائے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ اس دعوت کو قبول کرنے میں ان لوگوں کے لئے برتری اور بلندی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ رسول ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ آجاؤ تاکہ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سنا دوں کہ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کی ہیں یہ بلا واسطہ اللہ طرف سے آیا ہوا پیغام ہے۔ اس میں کسی کے ظن و تخمین یا قیاس کا دخل نہیں تاکہ تم ان سے بچنے کا اہتمام کرو اور فضول اپنی طرف سے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام نہ کرتے پھرو۔

اس آیت کا خطاب اگرچہ بلا واسطہ مشرکین مکہ کی طرف ہے مگر مضمون خطاب عام ہے۔ اور تمام بنی نوع انسان کو شامل ہے۔ خواہ مؤمن ہوں یا کافر عرب ہوں یا عجم اور موجودہ حاضرین ہوں یا آئندہ آنے والی نسلیں (بحر محیط)

سب سے پہلا گناہ عظیم شرک ہے

اس اہتمام کے ساتھ خطاب کر کے محرمات و ممنوعات کی فہرست میں سب سے پہلے یہ ارشاد فرمایا اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، یعنی سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ سمجھو، نہ مشرکین عرب کی طرح بتوں کو خدا بناؤ نہ یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاءؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہو نہ دوسروں کی طرح فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دو، نہ جاہل عوام کی طرح انبیاء و اولیاء کو صفتِ علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراؤ،

دوسرا گناہ والدین سے بدسلوکی ہے: اس کے بعد دوسری چیز یہ ارشاد فرمائی وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، یعنی والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ اور اچھا برتاؤ کرو، مقصد تو اس جگہ یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی نہ کرو، ان کو ایذاء نہ پہنچاؤ، مگر حکیمانہ انداز سے بیان اس طرح کیا گیا کہ والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو، اس میں اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ والدین کے حق میں صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ ان کی نافرمانی نہ کرو اور ایذاء نہ پہنچاؤ، بلکہ حسنِ سلوک اور نیاز مندانہ برتاؤ کے ذریعہ ان کو راضی رکھنا اور خوش کرنا فرض ہے، جس کا بیان دوسری جگہ قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

"یعنی ان کے سامنے اپنے بازو نیاز مندانہ طور پر پست کرو"

اس آیت میں والدین کو ایذاء پہونچانے اور تکلیف دینے کو شرک کے بعد دوسرے نمبر کا جرم قرار دیا ہے،

۸۔ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورۂ ابراھیم۔۴۵)

اے رب ہمارے بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو، اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب ہوگا۔

یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت انبیاء ہے یہ دعا اس وقت کی تھی جب کہ انہیں اپنے والد کے کافر ہونے کا علم نہ تھا جب معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہے تو بحکم خدا دعا کرنے سے روک دیئے گئے ایک حق ماں باپ کا اولاد پر یہ بھی ہے کہ ان کے لئے بخشش کی دعا کرتا رہے یہ دعا دیگر مؤمنین کے لئے دعا پر مقدم ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔

اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَہٗ (ابن حبان ص ۲۸۶ ج ۷)

یا نیک اولاد اس کے لئے دعا کرے۔

۹۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّ وَضَعَتْہُ کُرْھًا وَّحَمْلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلَاثُوْنَ شَھْرًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ☆

(احقاف۔ ۱۴)

ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا پابند کیا ہے اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اس کو تکلیف سے جنا۔ اور اس کا حمل میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا تو کہنے لگا اے میرے رب میری قسمت میں کر کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو نیک اولاد دے، میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں فرمانبردار ہوں۔

یہ آیت دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ وصیت کی ہے کہ ہم ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور وہ سلوک یہی ہے کہ سوائے شرک و کفر کے ہر امر میں ان کی اطاعت کریں۔ پھر اشارۃً ماں کے حق کی زیادتی بیان فرمائی ہے کیونکہ اس کی تکلیف بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے لہذا حسن سلوک میں ماں کا حق بھی زیادہ ہے پھر اشارہ کیا کہ اولاد سعادت مند وہ ہے جو اپنی اور والدین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی دعا کرنا چاہے تو وہ مذکورہ دعا پڑھے۔

۱۰۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ☆

(نوح ۲۷)

اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو معاف کر اور جو بھی میرے گھر میں ایماندار ہوکر داخل ہو اور مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کو تباہی وبربادی میں زیادہ کر۔

یہ دعا نوح علیہ السلام نے کی تھی معلوم ہوا کہ والدین کے لئے دعا کرنا سنت انبیاء ہے۔ پہلے والدین کے لئے دعا کرے پھر مومن مردوں اور عورتوں کے لئے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے والدین کو تمام اہل پر مقدم رکھا ہے اسی طرح اولاد بھی ان کو تمام اہل حقوق پر دعا، احسان، ادب اور اطاعت میں مقدم رکھے۔ پھر ظالموں کے حق میں بد دعا کی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو والدین کے لئے دعا نہیں کرتا اور ان کا حق نہیں پہچانتا وہ ظالم ہے اور ظالم تباہ و برباد ہونے والا ہے۔(اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد ص ۱۹)

۱۱۔ قَالَ يَا بُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ☆ (سورہ الصافات ۱۰۲)

اے بیٹے میں خواب دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، پس تیری کیا رائے ہے بیٹے نے جواب دیا اے ابّاجان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گزریئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔

یہ آیت دلیل ہے اس بات پر کہ والدین کی کسی معاملے میں نافرمانی نہ کرے اگرچہ جان جائے۔ یہ بات کہ اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق سب حقوق پر مقدم ہے اس اطاعت اسماعیل علیہ السلام سے بخوبی ثابت ہوگئی۔ ولللہِ الحمد۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹا اگرچہ پیغمبر ہو تب بھی اس پر باپ کی اطاعت واجب ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سوائے شرک کے تمام امور میں اپنے باپ کی اطاعت کو اپنا نصب العین سمجھتے تھے حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبر تھے اور وہ مشرک تھا۔

احادیث رسول ﷺ

قرآن پاک کی آیات کے بعد اب وہ احادیث رسولؐ ملاحظہ فرمائیں جن میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

ماں باپ اولاد کی جنت اور دوزخ ہیں : حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ :۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ، وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں (مشکوۃ ص ۴۲۱)

مطلب یہ ہے، کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت کرو گے،

اور ان کو راضی رکھو گے۔ تو جنت پالو گے اور اس کے بر عکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کر کے انہیں ناراض کرو گے، اور ان کا دل دکھاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا۔

اللہ تعالی کی رضا والدین کی رضا میں ہے : حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

اللہ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے۔ اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوۃ ص ۴۱۹)

حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے۔ کہ جو اپنے مالک و مولی کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضا جوئی شرط ہے۔ اور والد کی ناراضگی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضگی ہے۔ لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا۔ وہ رضائے الہی کی دولت سے محروم رہے گا اس حدیث میں والد کا ذکر ہے مگر دوسری احادیث کی بنا پر ماں بھی اس میں داخل ہے۔

جنت کا درمیانی دروازہ : ایک شخص حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک عورت ہے اور میری ماں مجھ کو حکم دیتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے۔

اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَاضِعْ ذَالِكَ

الْبَابَ اَوِاحْفَظْهُ (ابن ماجه ص ۱۲۰۸ ج ۲)

بہشت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ باپ ہے تو چاہے تو اس کو ضائع کردے چاہے تو اس کو محفوظ رکھ، سفیان نے اس روایت میں کبھی امی کے بجائے ابی کا لفظ استعمال کیا ہے ابن حبان کے الفاظ اس روایت میں یوں ہیں کہ :۔

ایک آدمی حضرت ابوالدرداء کے پاس آیا اور کہا کہ میرا باپ میرے پیچھے پڑا رہا یہاں تک کہ میری شادی کردی۔ اور اب مجھے حکم دیتا ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ تو اپنے والد کی نافرمانی کر اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ یہ بات ضرور ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے اگر چاہے تو اس کی حفاظت کر اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔ حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ اس آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ (ص ۱۶۷ ج ۲)

میں کہتا ہوں کہ ایک روایت میں ماں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں باپ کا ذکر۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب ہے۔ طلاق کا حکم ماں دے یا باپ دے دونوں کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے۔

والدین کی اطاعت کے سلسلہ میں گذشتہ زمانے کا ایک

واقعہ :۔ ایک دفعہ آپ نے والدین کی اطاعت کے ثواب کو ایک نہایت مؤثر حکایت میں بیان فرمایا ارشاد ہوا کہ تین مسافر راہ میں چل رہے تھے اتنے میں موسلا دھار پانی برسنے لگا تینوں نے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی، اچانک ایک چٹان اوپر سے ایسی گری کہ اس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا اب ان کی بے کسی و بے چارگی اور اضطراب و بیقراری کا کون اندازہ کر سکتا ہے، ان کی موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے۔ اس وقت انہوں نے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ دربار الٰہی میں ہاتھ اٹھائے، ہر ایک نے کہا اس وقت ہر ایک کو اپنی خالص نیکی کا واسطہ خدا کو دینا چاہیئے ایک نے کہا یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے میں بکریاں چراتا تھا اور انہی پر ان کی روزی کا سہارا تھا۔ میں شام کو جب بکریاں لے کر گھر آتا تو دودھ دھو کر پہلے اپنے والدین کی خدمت میں لاتا جب وہ پی لیتے تب اپنے بچوں کو پلاتا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں بکریاں چرانے کو دور نکل گیا لوٹا تو میرے والدین سو چکے تھے میں دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہوا نہ ان کو جگاتا تھا کہ ان کی راحت میں خلل نہ آجائے اور نہ ہٹتا تھا کہ خدا جانے کس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور دودھ مانگیں۔ بچے بھوک سے بلک رہے تھے مگر مجھے گوارا نہ تھا کہ میرے والدین سے پہلے میرے بچے سیر ہوں میں اسی طرح پیالہ میں دودھ لیے رات بھر سرہانے کھڑا رہا اور وہ آرام کرتے رہے اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ میں

نے یہ کام تیری خوشنودی کے لیے کیا تو اس چٹان کو اس غار کے منہ سے ہٹا دے؟ یہ کہنا تھا کہ چٹان کو خود بخود جنبش ہوئی اور غار کے منہ سے تھوڑا سرک گئی اس کے بعد دوسرے کی باری آئی اور انہوں نے بھی اپنے نیک کاموں کو وسیلہ بنا کر دعا کی اور غار کا منہ کھل گیا۔(بخاری ص ۸۹۲ اج ۲)

اسلام میں جہاد کی اہمیت جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے مگر والدین کی خدمت گزاری کا درجہ اس سے بھی بڑھکر ہے ان کی اجازت کے بغیر جہاد بھی جائز نہیں کہ جہاد کے میدان میں سر ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہوتا ہے اور ہر وقت جان جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے والدین کی اجازت کے بغیر ان کو اپنے جسم و جان کھونے کا حق نہیں، جس کو اس کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہونا چاہئے تھا اسی لیے ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے نیک کاموں میں جہاد کا درجہ والدین کی خدمت گزاری کے بعد رکھا۔

قرآن پاک کی صریح آیتوں میں خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ جس طرح والدین کی اطاعت کا ذکر ہے احادیث میں بھی وہی درجہ رکھا گیا ہے۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ

"تم پر خدا نے ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے"

ایک دفعہ صحابہؓ سے جو خدمت میں حاضر تھے دریافت کیا کہ کیا تم کو بتاؤں کہ دنیا میں سب سے بڑے گناہ کیا ہیں انہوں نے عرض کی، ضرور یا رسول اللہؐ! فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے سیدھے ہو کر برابر ہو گئے اور فرمانے لگے س "اور جھوٹی

گواہی اور ہاں جھوٹی گواہی" (بخاری ص ۸۹۳ ج ۲)

توراۃ میں حقوق والدین کے متعلق جو بعض ایسے احکام تھے جو بے حد سخت تھے وحی محمدیؐ نے بعض حیثیتوں سے ان میں تخفیف کر دی ہے اور بعض حیثیتوں سے اور زیادہ سخت کر دیا ہے مثلاً توراۃ کا یہ حکم تھا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے وہ قتل کر دیا جائے اسلام نے اس گناہ کو دنیا کی قانونی سزا کے بجائے اُخروی سزا کا موجب قرار دیا جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ توبہ و استغفار سے معاف ہو سکتے ہیں اور مجرم کو اپنے قتل پر نظر ثانی کی تا زندگی مہلت ملتی ہے لیکن اگر اس نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر عذاب بھی ہے جو دنیاوی سزا سے زیادہ سخت ہے اسلام کے قانون میں ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی سنگ دل باپ اپنی اولاد کے قتل کا مرتکب ہو تو بعض حالتوں میں وہ اس کے قصاص میں قتل نہ ہو گا بلکہ کسی اور سزا کا مستحق ہو گا کیونکہ باپ کو اپنی اولاد سے جو فطری محبت ہوتی ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے فعل کو قتل بالقصد کی بجائے اتفاقی سمجھا جائے تاکہ اس کے برخلاف کوئی قوی شہادت موجود نہ ہو۔ (سیرت النبی از شبلی ص ۱۱۷ ج ۶)

اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل : حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت

پر نماز پڑھنا پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا ماں باپ کی خدمت کرنا میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا عمل؟ آپؐ نے فرمایا راہِ خدا میں جہاد کرنا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۸)

اس حدیث میں پہلے نماز کا ذکر کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندوں پر پھر ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد ماں باپ کا حق سب سے مقدم ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے مقدم والدین کا حق ہے۔ جس طرح سب کا معبود ایک ہے اسی طرح ہر شخص کا ماں باپ ایک ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے اور ماں یا باپ واحد مجازی ہے یہ ایک بڑی مناسبت ہے والدین کو خالق حقیقی کے ساتھ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق کو اپنے حق کے ساتھ ملا کر ذکر کیا۔ تاکہ والدین کی عظمت اور ان کا مقدم ہونا تمام اہل قرابت پر اولاد کو سمجھایا جا سکے۔ پھر جہاد کا ذکر کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا فضیلت جہاد سے بھی بڑھ کر ہے۔

والدین کی خدمت جہاد سے افضل ہے:

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ:

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے والدین ہیں اس نے کہا ہاں ہیں آپ نے فرمایا:۔ تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد

کرد یہی تیرا جہاد ہے (ابو داؤد ص ۷ اج ۳)

غالباً رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی، یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا، کہ اس آدمی کے والدین اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور یہ ان کو چھوڑ کر ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے۔ اس لئے آپؐ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جاکر والدین کی خدمت کرے کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے والدین کی خدمت مقدم ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے۔

کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے پوچھا، کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ :۔ ہاں میرے والدین ہیں آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟) اس نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں ہے آپ نے فرمایا تو پھر والدین کے پاس واپس جاؤ (اور یہاں آنے کی اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگو اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہو (ابو داؤد ص ۷ اج ۳)

معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کا انحصار والدین کی اجازت پر ہے تو دنیاوی امور میں ان کی اجازت حاصل کرنا بالأولی معتبر ہوگا۔ اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا :۔

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْ اَبِیْ (یوسف-۸۵)

میں اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں گے۔ دنیاوی امور میں والد کی اطاعت پر یہ قوی دلیل ہے۔ اسی طرح والدہ کی اطاعت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ والدہ کا حق والد سے تین گنا زیادہ ہے۔

والدین کے بارے میں آپؐ کی وصیت : حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ

مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس وصیتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو۔

(مسند احمد ص ۲۳۸ ج ۵)

جنت ماں کے قدموں میں ہے : حضرت معاویہؓ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ :-

میرے والد جاہمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپؐ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں ہیں آپؐ نے فرمایا۔ تو پھر انہی

کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے (مشکوٰۃ ص ۴۲۱)

طبرانی کبیر کی ایک روایت میں اَلَكَ وَالِدَان؟ کے الفاظ بھی آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ دونوں کی خدمت کا حکم ہے۔ اور دونوں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے دریافت کیا کہ اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حارثہؓ بن نعمان ہیں۔ ماں کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ حارثہ بن نعمان اپنی ماں کے بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

یعنی اسی عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ان کی قرأت سنی۔

ماں کی خدمت بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:

حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپؐ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے توبہ قبول فرمالے گا۔ اور تمہیں معاف فرمادے گا) (مشکوٰۃ ص ۴۲۰)

یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ) لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں (مشکوٰۃ ص ۴۱۸)

اس حدیث کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسنِ سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

خدمت اور حُسنِ سلوک کافر و مشرک ماں کا بھی حق ہے

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، کہ

رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانہ میں میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینے میں) میرے پاس آئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہؐ! میری ماں میرے پاس آئی ہے۔ اور وہ کچھ خواہشمند ہے۔ تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں اس کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے (مشکوٰۃ ص ۴۱۸)

حضرت اسماءؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں ان کی ماں کا نام روایات میں قُتیلہ بنت عبدالعزی ذکر کیا گیا ہے۔ جن کو حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا۔ بہر حال اسلام کے دور میں یہ ان کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے پرانے مشرکانہ طریقے ہی پر قائم رہیں صلح حدیبیہ کے

زمانہ میں جب مشرکین مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہوگئی۔ تو حضرت اسماء کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینے آئیں حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھے ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے کیا ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے میں ان سے ترکِ موالات کروں یا ماں کے رشتے کا لحاظ کر کے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے حکم دیا ان کی خدمت کرو اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔

حدیث میں "رَاغِبَۃٌ" کا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ اس عاجز نے خواہشمند کیا ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہشمند ہو کر آئی ہیں یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کرو بعض شارحین نے اس کا ترجمہ منحرف اور بیزار بھی کیا ہے۔ اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا۔ کہ میری ماں ملنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے منحرف اور بیزار ہیں ایسی صورت میں ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہیئے کیا ماں ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں یا بے تعلقی اور بے رخی کا رویہ اختیار کروں بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں جو ماں کا حق ہے۔

(معارف الحدیث ج۶ ص ۵۳)

مندرجہ بالا حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ والدین اگرچہ مشرک ہوں لیکن ان کے ساتھ احسان و سلوک کرنا صلہ رحمی میں داخل ہے۔ ان کا کفر و شرک ان کی عزت و تکریم اور صلہ رحمی سے مانع نہیں۔

والدین کی نافرمانی و ایذا رسانی عظیم ترین گناہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے جس طرح والدین کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے۔ جو جنت اور رضائے الٰہی کا خاص وسیلہ ہے) اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کو "اکبر الکبائر" یعنی بد ترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ سے کبیرہ (یعنی بڑے گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو آپؐ نے فرمایا کہ:

خدا کے ساتھ شرک کرنا ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی۔ کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (بخاری ص ۸۹۴ ج ۴)

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" بتایا گیا ہے۔ اور جس ترتیب سے آپؐ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شرک کے بعد والدین کے حقوق (یعنی ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی) کا درجہ ہے۔ حتیٰ کہ قتلِ نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

اپنے والدین کو گالی دینا: حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

اپنے والدین کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ، یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اسکی صورت یہ ہے۔ کہ کوئی آدمی کسی کے والدین کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے والدین کو گالی دے (تو گویا اس نے خود ہی اپنے والدین کو گالی دلوائی)۔ (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے والدین کو گالی دینے لگے اتنی ہی بری بات ہے۔ جتنی کہ خود اپنے والدین کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کتنا بلند مقام ہے اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیے۔

والدین کی خدمت کرنے سے عمر میں اضافہ: والدین کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزا تو جنت اور رضائے الٰہی ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو ماں باپ کے حقوق کے زیر عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ کچھ خاص برکتوں سے اس دنیا میں بھی نوازتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ (کامل ابن عدی ص ۹۱۳ ج ۳)

اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے۔ کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا۔ اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی ہے جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہیئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مرفوع روایت ہے کہ :

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّمَدَّ لَهُ فِيْ عُمُرِهِ وَ يُزَادُ فِيْ رِزْقِهِ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ (احمد ص ٢٦٦ ج ٣)

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں برکت ہو اسے چاہیئے کہ وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی سے پیش آئے اور صلہ رحمی کرے۔

والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت کا دنیا میں فائدہ یہ ہے کہ اس کی عمر اور رزق میں برکت ہوگی اور آخرت میں اس کی جزا جنت ہے اور والدین کی نافرمانی اور عقوق میں جہنم ہے۔

حضرت معاذؓ بن جبل سے مرفوع روایت ہے

مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ طُوْبٰى لَهُ زَادَ اللّٰهُ فِيْ عُمُرِهِ (الحاكم ص ١٥٤ ج ٤ واصبهانى ص ١٦٣ ج ١)

یعنی جس نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا اس کو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت عطا فرمائے گا۔

طولِ حیات ایک ایسی دولت ہے جس کی تمنا ہر فرد بشر کو ہوتی ہے۔ لیکن کسی فرد کے ہاتھ میں کوئی ایسا آب حیات نہیں جس سے اس تمنا کی تکمیل ہو سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نسخہ بتایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ اہل علم نے درازیِ عمر کا یہ نسخہ اپنایا ہے جو مجرب اور کامیاب ثابت ہوا ہے۔

والدین کی خدمت کرنے سے اپنی اولاد خدمت کرے گی: حضرت عبد اللہؓ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو تمہاری اولاد تمہاری فرمانبرداری اور خدمت گزار ہوگی۔ اور تم پاک دامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی۔ (معجم اوسط للطبرانی ص ۸ ج ۲)

مطلب یہ ہے، کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنا دے گا۔

اسی طرح جو لوگ پاکدامنی کی زندگی گزاریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاکدامنی کی توفیق دے گا۔

سالہا برتو بگز رد کہ گزر — توبجائے پدرچہ کردی خیر
نکنی سوی تربت پدرت — تاہمان چشم داری از پسرت

اسی طرح جو لوگ حرامکار و عیاش ہوتے ہیں ان کی عورتیں بھی پرہیزگار نہیں ہوتیں۔ وہ بھی حرام کاری کرنے لگتی ہیں۔

والدین کے فوت ہونے کے بعد ان کے خاص حقوق : اولاد پر

ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے کچھ اور حقوق عائد ہو جاتے ہیں جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو اُسید ساعدی سے روایت ہے، کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قبیلہ بنو سلمہ میں سے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ :۔

یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنا چاہئیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کے لئے خیر ورحمت کی دعا کرتے رہنا ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگنا ان کا اگر عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا ان کے تعلق سے جو

رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا (ابو داؤد ص ۳۳۶ ج ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔

جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہونچائے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ رکھے جو رکھنا چاہیئے۔ (صحیح ابن حبان ص ۱۷۵ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

باپ کی خدمت اور حسنِ سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے۔ کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ (اکرام و احترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔ (مسلم ص ۱۰۹ ج ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے علاوہ ازیں ابھی اوپر حضرت ابو اُسیدؓ ساعدی کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے۔ اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اور اہل محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔

ایسا بھی ہوتا ہے، کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضا

مندی سے محروم ہوتی ہے۔ لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے۔ (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے) (معارف القرآن)

جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک اعلیٰ درجے کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اُسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا ذریعہ بن جاتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے ان قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ان سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے چنانچہ اشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۲٤)

اور اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو کہ :۔ اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت کے ساتھ پالا تھا۔

حضرت عبد اللہؒ بن دینار کہتے ہیں کہ

ایک اعرابی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو مکہ مکرمہ کے راستے میں ملا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس کو سلام کہا۔ اور اسے گدھے پر سوار کرلیا۔ جس پر وہ خود سوار ہوتے تھی اور اپنا عمامہ (پگڑی) اس کو دیا۔

حضرت ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ :۔

اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمائے

یہ لوگ اعرابی (گنوار) ہیں تھوڑی چیز پر ہی خوش ہوجاتے ہیں

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا :۔

اِنَّ اَبَا هٰذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

یعنی اس کا باپ عمر بن خطابؓ (میرے والد) کا دوست تھا اور میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ

مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ (مسلم ص ۱۵۹ ج ۱۶)

بہترین نیکی یہ ہے ہے والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کی جائے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وہ اعرابی و گنوار خود حضرت عمرؓ کا دوست نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کے دوست کا بیٹا تھا۔ مگر حضرت ابن عمرؓ نے باپ کے دوست کے بیٹے سے اتنا اچھا سلوک کیا۔ نیز سلف صالحین کا یہی طریق کار تھا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند
جوانانِ سعادت پند پیر دانا را

حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ

میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبد اللہ بن عمر میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ آپکو معلوم ہے کہ میں آپ کے پس کیوں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے :۔

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصِلَ آبَاہُ فِیْ قَبْرِہٖ فَلْیَصِلْ اِخْوَانَ اَبِیْہِ وَاِنَّہٗ کَانَ بَیْنَ اَبِیْ عُمَرَ وَبَیْنَ اَبِیْكَ اِخَاءٌ وَ وُدٌّ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَصِلَ ذَالِكَ (ابن حبان ص ۱۷۵ ج ۲)۔

یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ وہ قبر میں والد کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرے وہ اپنے والدین کے برادرانِ دینی کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک کرے۔ میرے اور تیرے باپ کے درمیان دوستی تھی میں نے مناسب سمجھا اس کو نبھاؤں۔

ایک انصاری شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ میں کوئی اچھا سلوک کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں چار سلوک (۱) ان کے جنازے کی نماز (۲) ان کے لئے دعا و استغفار (۳) ان کے وعدوں کو پورا کرنا (۴) ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور صلہء رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہے یہ وہ سلوک ہے جو ان کی موت کے بعد بھی تو ان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۹ ج ۴ / صحیح ابن حبان ص ۱۶۲ ج ۲)۔

جنت یا جہنم کے دروازے کھلنا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے ماں باپ کا فرمانبردار رہا اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھلے رہیں گے۔ اور جو ان کا نافرمان ہو اس کے لئے جہنم کے دو دروازے کھلے رہیں گے۔ اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت یا جہنم کا کھلا رہے گا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ (یہ جہنم کی وعید) کیا اس صورت میں بھی ہے۔ کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو، تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا وَاِنۡ ظَلَمَا، وَاِنۡ ظَلَمَا، وَاِنۡ ظَلَمَا (یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو ایذاء رسانی پر جہنم کی وعید ہے۔ خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر ظلم کیا ہو (الادب المفرد ص ۱۲)

جس کا حاصل یہ ہے، کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انہوں نے ظلم کیا تو یہ بھی ان کی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لے)

والدین کے چہرہ پر شفقت سے نظر ڈالنے کا ثواب: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جو خدمت گزار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے۔ تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کرلے آپؐ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا۔) (اللہ تعالیٰ بڑا ہے۔ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)۔ (معارف القرآن بحوالہ شعب الایمان)

والدین کی حق تلفی کی سزا دنیا میں: حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

سب گناہوں کی سزا تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں قیامت تک مؤخر کر دیتے ہیں۔ بجز والدین کی حق تلفی اور نافرمانی کہ اس کی سزا آخرت سے پہلی دنیا میں بھی دی جاتی ہے۔ (حاکم ص ۱۵۶ ج ۴)

والدین کی بد دعا سے بچو : بعض آثار میں آیا ہے کہ ماں کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ ماں، باپ کی بنسبت زیادہ رحیم ہے اور رحیم کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر ماں کی خوشنودی حاصل کی جائے تو اس کی دعا کو بھی اپنے حق میں مقبول سمجھا جائے اسی طرح اگر وہ ناراض ہوکر بد دعا دے گی تو اس کی بد دعا کو بھی اپنے حق میں مقبول سمجھا جائے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے ماں کی بد دعا سے بچا جائے۔

حدیث میں آیا ہے کہ :۔

ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، (ابن ماجہ ص ۲۷۵ ج ۲)

تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں (۱) والدہ کی دعا۔ (۲) مسافر کی دعا، (۳) مظلوم کی دعا۔

پھر اگر والدین اولاد کے ہاتھوں مظلوم ہیں تو ان کی بد دعا کسی طرح بھی مسترد نہ ہوگی۔ بعض تابعین کا خیال ہے کہ جو شخص ہر روز ماں باپ کے لئے پانچ مرتبہ دعا کرے گا تو وہ کسی حد تک والدین کا حق ادا کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر نماز پنجگانہ ہے۔ تو ہر نماز میں پانچ مرتبہ ان کے حق میں دعا کرنے سے ان کا شکر بھی ادا ہوگا۔

والدین کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں : والدین کی اطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں ہر حال اور ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔ لیکن واجبات و فرائض کی ادائیگی میں جو حالات عادۃً رکاوٹ بنا کرتے ہیں ان حالات میں قرآنِ حکیم کا عام اسلوب یہ ہے کہ احکام پر عمل کو آسان کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے ذہنوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔ اور ایسے حالات میں تعمیلِ احکام کی پابندی کی مزید تاکید بھی۔

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے اسوقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتے ہیں۔

تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات و مطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے ساتھ اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اسوقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اسی سابق احسان کا بدلہ ادا کرو آیتِ قرآن كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور سورہ بنی اسرائیل

کی آیات میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہونچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ ان کو اف بھی نہ کہے اس لفظ سے مراد ایسا کلمہ ہے۔ جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اُف میں داخل ہے۔ ایک حدیث میں بروایت حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ایذاء رسانی میں اُف کہنے سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا (حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے)۔

دوسرا حکم ہے وَلَا تَنْهَرْهُمَا لفظ نھر کے معنی جھڑکنے ڈانٹنے کے ہیں اس کا سبب ایذاء ہونا ظاہر ہے

تیسرا حکم وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ہے۔ پہلے دو حکم منفی پہلو سے متعلق تھے۔ جن میں والدین کی ادنی سے ادنی بار خاطر کو روکا گیا ہے۔ اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھلایا گیا ہے۔ کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجہ میں بات کی جائے حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چوتھا حکم وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے جیسے غلام، آقا کے سامنے جناح کے معنی بازو کے ہیں لفظی معنی یہ ہیں کہ والدین کے لئے اپنے بازو عاجزی اور ذلت کے ساتھ جھکائے آخر

میں مِنَ الرَّحْمَةِ کے لفظ سے ایک تو اس پر متنبہ کیا کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دکھاوے کا نہ ہو بلکہ قلبی رحمت و عزت کی بنیاد پر ہو دوسرے شاید اشارہ اس طرح بھی ہے کہ والدین کے سامنے ذلت کے ساتھ پیش آنا حقیقی عزت کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ یہ واقعی ذلت نہیں بلکہ اس کا سبب شفقت و رحمت ہے۔

پانچواں حکم وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں اپنی مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔

ایک واقعہ عجیبہ :۔ قرطبیؒ نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے آپؐ نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جب اس کا باپ آجائے تو آپؐ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دِل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی اِن کو نہیں سُنا جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہونچا تو آپؐ نے والد سے کہا کہ کیا بات ہی آپکا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کیا آپ چاہتے کہ اس کا مال چھین لیں والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اسکی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کیا خرچ کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا اِیۡہِ (جسکا کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہو گئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جنکو ابھی تک تمہارے کانوں نے بھی نہیں سُنا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں جو بات کسی نے نہیں سُنی اسکی آپ کو اطلاع ہو گئی جو ایک معجزہ ہے پھر اس نے عرض کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دِل میں کہے تھے جنکو میرے کانوں نے بھی نہیں سُنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ مندرجہ ذیل اشعار سنائے۔ جن کا صرف ترجمہ پیش یا جارہا ہے۔

۱۔ میں نے تجھے بچپن میں غذادی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔

۲۔ جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بیقراری میں گزار دی۔

۳۔ گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔

۴۔ میرا دِل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دِن مقرر ہے پہلے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

۵۔ پھر جب تم اِس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔

۶۔ تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی سے دیا گویا کہ تم ہی مجھ پر

احسان و انعام کر رہے ہو۔

۷۔ کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔

۸۔ تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق ہی دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں **بخل** سے کام نہ لیا ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (جا تو اور تیرا مال سب باپ کا ہے (تفسیر قرطبیؒ ص ۲۴۶ ج ۱۵)

یہ اشعار عربی ادب کی مشہور کتاب حماسہ میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔ مگر ان کو امیہ بن ابی الصلت شاعر کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ابن عبدالاعلی کے اشعار ہیں بعض نے انکی نسبت ابو العباس اعمی کی طرف کی ہے (حاشیہ قرطبیؒ)

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت "رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ" میں اس دِل تنگی کو رفع فرما دیا گیا ہے جو والدین کے ادب و تعظیم کے متعلقہ احکام مذکورہ سے اولاد کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ والدین کیساتھ ہر وقت رہنا ہے ان کے اور اپنے حالات بھی ہر وقت یکساں نہیں ہوتے کسی وقت زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا جو مذکور الصدر آداب کے خلاف ہو تو اس پر جہنم کی وعید ہے اس طرح گناہ سے بچنا سخت مشکل ہو گا اس آیت میں اس شبہ اور اس سے دلتنگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ بغیر ارادہ بے ادبی کے کبھی کسی پریشانی یا غفلت سے کوئی کلمہ صادر ہو جائے اور پھر اس سے توبہ کر لی تو

اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے واقف ہیں کہ وہ کلمہ بے ادبی یا ایذاء کے لئے نہیں کہا تھا۔ وہ معاف فرمانے والے ہیں۔

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وصیت: حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہؐ نے دس وصیتیں فرمائی تھیں

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کردیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو۔ (مسند احمد ص ۲۳۸ ج ۵)

والدین کو محبت کی نظر سے دیکھنا: ایک حدیث میں یہ ذکر آیا ہے کہ جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع و فرمانبردار ہو جب وہ اپنے والدین کو عزت و محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔ (شعب الایمان)

آپؐ کا منبر پر تین بار آمین کہنا: ایک روایت میں ہے۔ کہ آپؐ نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی جب آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل امین آئے اور کہا اے نبی ﷺ! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس تیرا ذکر ہو اور اس نے تجھ پر درود بھی نہ پڑھا ہو۔ کہیئے آمین! چنانچہ میں نے آمین کہی اور پھر فرمایا اس شخص کی ناک بھی خدا تعالیٰ خاک آلود کرے جس کی زندگی میں ماہ رمضان آیا اور چلا بھی گیا۔ اور اس شخص کی بخشش نہ ہوئی۔ آمین کہیئے۔ چنانچہ میں نے اس پر بھی آمین کہی۔ پھر فرمایا خدا اُسے بھی برباد کرے۔ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پالیا پھر بھی ان کی خدمت کر کے جنت میں

نہ پہنچ سکا۔ کہنے میں! میں نے کہا آمین۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۴)

والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا:۔ والدین کی اطاعت فرمانبرداری اس حد تک ضروری ہے کہ اگر وہ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو طلاق دے دینی چاہئیے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ

میرے نکاح میں ایک عورت تھی۔ اور میں اس کو محبوب جانتا تھا لیکن میرے والد حضرت عمرؓ اس کو مکروہ جانتے تھے۔ تو میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو میں نے انکار کیا چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاں اس کا ذکر کیا۔ اس پر نبی ﷺ نے مجھ سے کہا کہ تم اس کو طلاق دے دو (ابو داؤد ص ۳۳۵ ج ۴)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ

ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے۔ اور میری والدہ مجھے کہتی ہے۔ کہ اس کو طلاق دے دو تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے، کہ

باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔ پس اگر چاہو تو والدین کی فرمانبرداری کر کے اس کو بچالو یا نافرمانی کر کے اس دروازے کو ضائع کر دو (ابن ماجہ ص ۵۔۹ ج ۱)

والد کا حق ادا نہیں ہو سکتا: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا!

لَا یَجْزِی وَلَدٌ وَالِدَہُ اِلَّا اَنْ یَجِدَہُ مَمْلُوکًا فَیَشْتَرِیَہٗ فَیُعْتِقَہٗ (مسلم ص ۴۹۵ ج ۱)

بیٹا باپ کو اس کے حق کا بدلہ نہیں دے سکتا مگر اس صورت میں کہ بیٹا باپ کو کسی شخص کا غلام پائے اور خرید کر اس کو آزاد کر دے۔ یعنی باپ کا اولاد پر یہ بھی حق ہے کہ اولاد اگر باپ کو غلام پائے تو اس کو غلامی سے آزاد کرائے۔

غیر باپ کی طرف منسوب کرنا لعنت کا سبب ہے: حضرت سعد بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپؐ نے فرمایا کہ

جس شخص نے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا جبکہ یہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے۔ تو اس پر جنت حرام ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(بخاری ص ۹۸۵ ج ۲ وابن حبان ص ۱۶۰ ج ۲)

والدین کی نافرمانی کے بارے میں چند احادیث

حضرت نوابؒ صدیق الحسن خاں نے والدین کے حقوق کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام اِسْعَادُ الْعِبَاد بحقوق الوالدین والاولاد ہے وہاں سے والدین کی نافرمانی سے متعلق چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوقَ الْاُمَّھَاتِ وَ مَنْعًا وَّھَاتِ وَکَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَ کَثْرَۃَ السُّوَالِ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ (بخاری ص ۸۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے اور بخل و طمع کو بھی حرام قرار دیا ہے اور بکواس کرنے، بھیک مانگنے اور مال ضائع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں ماں کی نافرمانی کا ذکر ہے یہی حکم باپ کی نافرمانی کا ہے ماں کے ذکر کو اس لئے خاص کیا ہے کہ ماں کا حق بہت زیادہ ہے اور ذرا سی نافرمانی پر سخت تکلیف محسوس کرتی ہے اس لیے اس کی نافرمانی سے پرہیز واجب ہے۔

۲۔ حدیث ابو بکرہؓ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ثَلَاثًا قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، (بخاری ص ۸۴۸ ج ۲)

کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ آپ ﷺ نے تین بار اسی طرح فرمایا (صحابہ کہتے ہیں) ہم نے عرض کی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

اس جگہ والدین کی نافرمانی کو شرک باللہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی شرک کہلاتی ہے اور اس کی نافرمانی یہی ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کی جائے۔ والدین کی نافرمانی عقوق کہلاتی ہے کہ انکی اطاعت سے

کنارہ کیا جائے اور انکو رنج و تکلیف پہنچائی جائے۔ پھر ان دونوں گناہوں کی سزا جہنم ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ

۳۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث ہے

اَلْکَبَائِرُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ (مشکوۃ ص ۱۷ ج ۱)

کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ کسی کو قتل کرنا۔ جھوٹی قسم کھانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ اور کسی کو قتل کرنا بھی اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا کہ والدین کی نافرمانی۔ کیونکہ حدیث میں ذکر کی گئی ترتیب اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

۴۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

اَلشِّرْکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ (بخاری، مسلم، ترمذی)

شرک اور والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہیں۔

والدین کی نافرمانی کو ہر جگہ شرک کے ہمراہ ذکر کرنا اس گناہ کے کبیرہ ہونے کی واضح دلیل ہے گویا کہ والدین کا نافرمان مشرک کے برابر ہے اس لئے کہ وہ واحد حقیقی کا نافرمان ہے اور یہ واحد مجازی کا۔

۵۔ آنحضرت ﷺ نے ایک خط اہل یمن کی طرف لکھا اور بدست عمرو بن حزمؓ روانہ کیا اس میں یہ تحریر تھا کہ

اِنَّ اَكْبَرَ الْكَبَائِرِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ (ابن حبان ص ۵۰۴ ج ۱۴)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔

۲۔ حضرت ابنؓ عمر کی حدیث میں ہے کہ

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ عَطَائَهُ وَ ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُّوْثُ وَالرَّجِلَةُ☆

(حاکم ص ۱۴۶ ج ۴ وابن حبان ص ۳۳۵ ج ۶)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ ا۔ ماں باپ کا نافرماں۔ ۲۔ عادی شرابی۔ ۳۔ احسان جتلانے والا اور تین شخص ایسے ہیں جو جنت میں نہیں جائیں گے۔ ا۔ ماں باپ کا نافرمان ۲۔ دیوث، ۳۔ مردانہ وضع عورت۔

امام منذر فرماتے ہیں کہ

الدَّيُّوثُ بِتَشْدِيْدِ الْيَاءِ، هُوَ الَّذِيْ يُقِرُّ اَهْلَهُ عَلَى الزِّنَا مَعَ عِلْمِهِ بِهِمْ وَالرَّجِلَةُ بِفَتْحِ الرَّاءِ وَ كَسْرِ الْجِيْمِ هِيَ الْمُتَرَجِّلَةُ الْمُتَشَبِّهَةُ بِالرِّجَالِ

یعنی دیوث وہ ہے جو اپنی اہل خانہ کو زنا سے نہ روکے باوجود معلوم ہونے کے اور رَجِلۃُ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے۔

۷۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے مروی ہے کہ

ثَلَاثَةٌ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ، مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوثُ الَّذِي يُقِرُّ الْخَبَثَ فِي اَهْلِهِ (احمد ص ۶۹، ۱۲۸ ج ۲)

تین آدمیوں پر جنت حرام ہے۔ ا۔ عادی شرابی، ۲۔ والدین کا نافرمان، ۳۔ دیوث جو اپنی بیوی کو زنا پر قائم رکھتا ہے۔

یہ جگہ قابل غور ہے کہ والدین کے نافرمان کا تذکرہ اس جگہ کن کے ساتھ فرمایا۔ اور نافرمان کا انجام کیا بتایا۔ کہ اس پر جنت حرام ہے۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع رویت ہے کہ

يُرَاحُ رِيْحُ الْجَنَّةِ مِنْ مَسِيْرَةِ خَمْسِمِائَةٍ وَلَا يَجِدُ رِيْحَهَا مَنَّانٌ بِعَمَلِهٖ وَلَا عَاقٌّ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ

(طبرانی فی الاوسط ص ۴۹۴ ج ۵)

جنت کی ہوا پانچ سو برس کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے لیکن یہ خوشبو، احسان جتانے والا اپنے عمل کی وجہ سے اور والدین کا نافرمان اور عادی شرابی نہ سونگھ سکے گا۔

یعنی والدین کا نافرمان جنت سے پانچ سو برس کی مسافت سے دور ہوگا اس کو جنت کی ہوا تک نہ لگے گی۔ العیاذ باللہ

۹۔ حضرت ابو امامہؓ کی مرفوع روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُمْ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، عَاقٌّ وَ مَنَّانٌ وَ مُكَذِّبٌ بِقَدْرٍ (كتاب السنة لابن ابى عاصم ص ١٤٢ ج ١)

تین شخص ایسے ہیں جن کی فرضی اور نفلی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ ۱۔ والدین کا نافرمان، ۲۔ احسان کر کے جتلانے والا، ۳۔ تقدیر کا انکار کرنے والا۔

اس حدیث میں والدین کے نافرمان کے لئے زبردست وعید ہے کہ والدین کے نافرمان کی کوئی عبادت قبول نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور باز نہ آجائے۔

۱۰۔ حضرت ابو ہریرۃ کی مرفوع حدیث ہے کہ

اَرْبَعٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لاَ يُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ وَلَا يُذِيْقَهُمْ نَعِيْمَهَا مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ اٰكِلُ الرِّبٰو وَ آكِلُ مَالِ الْيَتِيْمِ بِغَيْرِ حَقٍّ وَالْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ (حاکم ص ۳۷ ج ۲)

چار آدمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے۔ اور نہ انکو اس کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائے۔ ۱۔ شراب پینا جس کی عادت بن گئی ہو۔ ۲۔ سود خور آدمی۔ ۳۔ ناحق یتیم کا مال ہڑپ کرنے والا۔ ۴۔ والدین کا نافرمان۔

گویا کہ اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے کہ یہ چار قسم کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے ہاں اگر یہ توبہ کرلیں اور صاحب حق سے معافی مانگیں تو ممکن ہے کیونکہ بندوں کے حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں قرآن و

حدیث میں اسی طرح کی وعید آئی ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں ڈرتے۔

۱۱۔ حضرت ثوبانؓ سے مرفوع حدیث ہے

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهُنَّ عَمَلٌ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ (الطبرانی فی الکبیر ص ۹۵ ج ۲)

تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے شرک کرنا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ ۳۔ جہاد سے بھاگنا۔

اس جگہ والدین کی نافرمانی کو پھر شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انجام ان دونوں عملوں کا ایک ہے یعنی اگر سارے اعمال صالحہ کیے مگر شرک بھی کیا تو وہ سب اعمال بیکار گئے۔ اس طرح والدین کے نافرمان کو اس کے اعمال کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

۱۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا کوئی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! ہاں۔ وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (بخاری ص ۲۲۲۸ ج ۵)

میں کہتا ہوں کہ یہ گالی دینا تو گویا بالواسطہ ہے اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو بلا واسطہ والدین کو برا بھلا کہتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور بد دعا کرتے ہیں۔ براہِ راست گالی دینے کا گناہ بالواسطہ گالی دینے سے زیادہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے اور والدین کی نافرمانی ہے اسی لیے محدثین نے اس حدیث کو عقوق الوالدین (والدین کی نافرمانی) میں ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ ایک روایت میں اس طرح ہے:۔

اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَ يَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهُ (بخاری ص ۲۲۸ ج ۵)

کسی کا کسی کے والدین کو گالی دینا اور بدلے میں اس کا اس کے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے ایسی حرکت کرنے والا عاق (نافرمان) ہوتا ہے۔

۱۴۔ حضرت عمرو بن مرہ جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے گواہی دی ہے کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ اور نماز پنجگانہ ادا کرتا ہوں اور زکوٰۃ دیتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ مَاتَ عَلٰى هٰذَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَ نَصَبَ اِصْبَعَيْهِ مَالَمْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ

(ابن حبان ص ۲۲۳ ج ۸)

ایسا شخص قیامت کے دن پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ اور انگلیاں ایک ساتھ کھڑی کر کے اشارہ سے سمجھایا۔ اور فرمایا

یہ شرف تب حاصل ہوگا جب کہ وہ والدین کا نافرمان نہ ہوگا۔

یعنی والدین کی نافرمانی سے یہ سارے اعمالِ صالحہ جو فرض و واجب ہیں اور جن سے آدمی مسلمان ٹھہرتا ہے سب برباد ہوجاتے ہیں اور ان نیکیوں کا کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہوگا۔

۱۵۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس کلمات کی وصیت فرمائی،

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَ مَالِكَ (احمد ۲۳۸ ج۵)

کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا خواہ تجھے قتل کردیا جائے یا آگ میں جلادیا جائے۔ اور ماں باپ کی نافرمانی نہ کر، اگرچہ وہ تمہیں اہل و مال چھوڑنے کا حکم دیں۔

معلوم ہوا کہ والدین کو اولاد پر ہر طرح کی حکمرانی کا حق حاصل ہے وہ جیسی بھی تکلیف دیں اسے اٹھانا چاہیئے۔ کسی حال میں بھی ان سے روگردانی اور سرتابی نہیں ہونی چاہئے یہ اطاعت کا آخری درجہ ہے اور اس کا صریح حکم حدیث میں موجود ہے۔

۱۶۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

اِيَّاكُمْ وَعُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّ رَائِحَ الْجَنَّةِ يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَلْفِ عَامٍ وَلَا يَجِدُهَا عَاقٌّ (طبرانی اوسط ص ۲۱۵ ج۲)

والدین کی نافرمانی سے بچو۔ جنت کی ہوا ایک ہزار میل کی مسافت سے آتی ہے مگر والدین کا نافرمان اس کو نہ پاسکے گا۔ یعنی وہ جنت سے ہزار سالہ

مسافت کی دوری پر ہوگا۔

۱۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث کے الفاظ اس طرح سے ہیں کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سات آدمیوں پر لعنت کی۔ اور ان میں سے ہر ایک پر تین تین بار لعنت کی اور وہ لعنت ان کو کفایت کرتی ہے۔ ان میں سے ایک والدین کا نافرمان بھی ہے۔

طبرانی اوسط ص ۲۲۶ ج ۹ و حاکم ص ۳۵۶ ج ۴)

یہ وعید انتہائی شدید ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس لعنت سے بچائے

۱۸۔ حضرت ابنؓ عباس کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّ وَالِدَيْهِ (ابن حبان)

اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت جو اپنے والدین کو گالی دے۔

گالی دینے میں ہر قسم کی ان کی برائی کرنا اور طعن کرنا اور کوسنا داخل ہے۔

۱۹۔ حضرت ابو بکرہؓ کی مرفوع حدیث ہے۔ کہ

كُلُّ الذُّنُوبِ يُؤَخِّرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَاشَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُعَجِّلُهُ لِصَاحِبِهٖ فِى الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ (حاکم ص ۱۵۶ ج ۴)

جتنے بھی گناہ ہیں اللہ تعالیٰ جس گناہ کی سزا کو چاہتا ہے قیامت تک کے لئے مؤخر کر دیتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کی سزا مرنے سے قبل ہی دے دیتا ہے۔

اس حدیث سے والدین کی نافرمانی پر سخت وعید ثابت ہوتی ہے۔ اور معلوم

ہوا کہ اس کی جزاء سزا دنیا ہی میں مرنے سے قبل ایک نہ ایک دن نافرمان کو مل جاتی ہے۔ گو ہمیں اس سزا کی شناخت نہ ہو۔ کتب تواریخ و سیر میں ان لوگوں کی حکایات ملتی ہیں جنہوں نے ماں باپ کو ستا کر دنیا ہی میں سزا پائی۔ یہ واقعات و حکایات مذکورہ بالا حدیث کے مؤید و مصدق ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا

۲۰۔ عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ

ہم آنحضور ﷺ کے پاس تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا کہ ایک آدمی قریب الموت ہے اس سے کہا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو لیکن وہ پڑھ نہیں سکتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا وہ نماز پڑھتا تھا اس نے عرض کی ہاں، آنحضور ﷺ اٹھ کھڑے۔ ہم بھی آپؐ کے ہمراہ چلے۔ چنانچہ اس آدمی کے پاس پہنچ کر اس سے کہا گیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ آنحضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ اس نے کہا یہ اپنے والدین کا گستاخ و نافرمان تھا۔ پوچھا اس کی ماں زندہ ہے کہا ہاں، فرمایا بلاؤ اسکو۔ تو اس کو بلایا گیا۔ وہ آئی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تیرا بیٹا ہے اس نے کہا ہاں فرمایا ایک بھاری آگ جلا کر تجھ سے کہا جائے کہ اگر تو اس کی سفارش کرے تو اس کو چھوڑ دیں گے ورنہ اس کو آگ میں جلا دیں گے تو کیا تو اس کی سفارش کرے گی اس نے عرض کیا کہ اے رسول خدا ﷺ ایسے وقت میں میں اس کی سفارش کروں گی۔ فرمایا تو مجھ کو اور اللہ کو گواہ کردے کہ تو اس سے راضی ہوگئی ہے اس نے کہا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُكَ وَاُشْھِدُ رَسُوْلَكَ اَنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنِ ابْنِیْ فرمایا

يَا غُلَامُ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

اس نے یہ کلمہ پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَنْقَذَہُ بِیْ مِنَ النَّارِ، (احمد ص ۲۸۲ ج ۴)

اس ذات کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ اس کو دوزخ سے نجات عطا فرمائی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کی نافرمانی موت کے وقت کلمہ طیبہ اور حسنِ خاتمہ سے روکتی ہے نعوذ باللہ

۲۱۔ حضرت عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ

میں ایک بار ایک قوم میں اترا۔ ان کے قریب ایک مقبرہ تھا۔ عصر کے بعد ایک قبر پھٹ گئی اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا سر گدھے کا سا تھا۔ اور بدن انسان جیسا۔ وہ تین بار گدھے کی سی آواز میں بولا۔ پھر قبر اس پر بند ہو گی۔ وہاں ایک بڑھیا سوت کات رہی تھی یا صوف۔ ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ تو اس بڑھیا کو دیکھتا ہے میں نے کہا یہ کون ہے؟ اس عورت نے کہا کہ یہ اس شخص کی ماں ہے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو اس عورت نے بتایا کہ یہ شخص شراب پیتا تھا جب یہ گھر جاتا تو اس کی ماں کہتی اے بیٹے اللہ سے ڈرو اور کب تک شراب پیتے رہو گے تو یہ اس سے کہتا کہ تو گدھے کی طرح آواز کرتی ہے یہ شخص عصر کے بعد مر گیا اب، عصر کے بعد یہ قبر پھٹ جاتی ہی اور یہ شخص تین بار گدھے کی سی آواز نکالتا ہے پھر

یہ قبر اس پر بند ہو جاتی ہے۔ (اصفہانی)

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آدمی کو یہ عذاب ماں کی نافرمانی پر مقرر ہوا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا

پھر جو شخص اپنے ماں باپ کو جانی و مالی تکلیف پہنچاتا ہے اور ان کی توہین و تحقیر کرتا ہے۔ اور ہر طریقۂ ظاہری و باطنی سے ستاتا ہے قیامت کے دن اس کے عذاب کا اندازہ خدا ہی جانے۔

۲۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس مال و اولاد ہے اور میرا باپ محتاج ہے۔

آپ نے فرمایا

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (اَبُوداؤد ص ۱۴۲ ج ۲)

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر باپ محتاج ہو اور بیٹا مالدار ہو تو اپنے مال کو باپ سے نہ روکے۔ مال کو والدین سے روکنا ایک طرح کی والدین کی نافرمانی ہے اور ان پر مال و دولت صرف کرنا یہ ان کی اطاعت ہے۔

حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

مَنْ حَجَّ عَنْ اَحَدِ اَبَوَيْهِ اَجْزَاَ ذَالِكَ عَنْهُ وَبُشِّرَ رُوْحُهُ بِذَالِكَ فِي السَّمَاءِ وَكُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ بَارًّا وَلَوْ كَانَ عَاقًّا (رزین)

جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے حج کیا تو یہ اس کی طرف سے کافی ہوگا۔ اور خوشخبری دی جائے گی اس کی روح کو آسمان میں اور اللہ کے ہاں اس کا شمار نیکوں میں ہوگا اگرچہ وہ والدین کا نافرمان ہی ہو یعنی والدین کی نافرمانی کا جو گناہ اس کے ذمہ ہے وہ قدرے کم ہو جائے گا۔

والدین کی بد دعا سے بچو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

۔ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ ودعوۃُ المظلوم (ابن حبان ص ۴۱۶ ج ۶)

تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ا۔ والدہ کی دعا ۲۔ مسافر کی دعا ۳۔ مظلوم کی دعا

پھر اگر والدین اولاد کے ہاتھوں مظلوم ہیں تو ان کی بد دعا کسی طرح بھی مسترد نہ ہوگی۔

ماں کی ناراضگی کا نتیجہ: ابانؒ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک نوجوان علقمہ نامی تھا۔ بڑا محنتی تھا بکثرت صدقہ کرتا تھا۔

وہ سخت بیمار ہوا۔ اس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میرا خاوند نزع کے عالم میں ہے۔ میرا خیال ہوا کہ آپؐ کو اطلاع کر دوں۔ آپؐ نے حضرت بلال علی، سلمان، عمار رضی اللہ تعالی عنھم سے فرمایا کہ علقمہ کی خیر خبر معلوم کرو۔ یہ حضرات وہاں پہنچے اور اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کی مگر زبان نہ چل سکی قریب المرگ ہوا تو ان حضرات نے حضرت بلالؓ کو حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں بھیجا کہ اس

کے حالات سے آپؐ کو اطلاع دے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے والدین ہیں عرض کیا گیا کہ والد تو فوت ہو چکا ہے البتہ بوڑھی ماں حیات ہے، آپ نے فرمایا بلالؓ علقمہؓ کی والدہ کے پاس جاؤ اسے میرا سلام کہو کہ اگر وہ چل سکتی ہے تو میرے پاس آئے ورنہ انتظار کرے میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ بلالؓ نے جاکر پیغام پہنچایا تو کہنے لگی میری جان آپؐ پر قربان میرا حق ہے کہ میں خدمت عالیہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ عصا ٹیکتی ہوئی دربار نبوت میں حاضر ہوئی، سلام عرض کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔ وہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئی۔ ارشاد فرمایا مجھے سچ سچ بتا اگر تو نہیں بتائے گی تو وحی سے معلوم ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ علقمہ کیا عمل کرتا تھا۔ کہنے لگی کہ اتنی نماز پڑھتا تھا اتنے روزے رکھتا تھا اور جو درہم پاس ہوتے صدقہ کر دیتا نہ ان کا وزن معلوم ہوتا نہ عدد۔ ارشاد فرمایا تیرے ساتھ اس کا معاملہ کیسا تھا کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میں اس پر ناراض ہوں۔ فرمایا کیوں۔ کہنے لگی وہ میری بجائے اپنی بیوی کو ترجیح دیتا اور میری نافرمانی کرتا تھا اس کا کہنا مانتا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کی ناراضگی نے اس کی زبان کو کلمہ شہادت سے روک رکھا ہے۔ پھر بلالؓ سے فرمایا کہ بہت سی لکڑیاں جمع کر لاؤ کہ میں اسے آگ میں جلادوں، بڑھیا کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میرے لخت جگر کو میرے سامنے جلائیں گے مجھ سے کیسے برداشت ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا اے علقمہ کی ماں اللہ تعالیٰ کا عذاب اس آگ سے کہیں زیادہ سخت اور دیرپا ہے اگر تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں تو تو اس سے راضی

ہو جا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسے نماز اور صدقہ فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک تو اس پر ناراض رہی۔ بڑھیا دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میں آسمان والے خدا کو، آپؐ کو اور حاضرین مجلس کو گواہ بناتی ہوں کہ میں علقمہ سے راضی ہوں آپؐ نے فرمایا بلال ذرا جا کر دیکھو علقمہؓ لا الہ الا اللہ پڑھنے لگا ہے ممکن ہے اس کی ماں نے میری شرم کی وجہ سے ایسا کہا ہو اور دل سے نہ کہا ہو۔ بلالؓ دروازے پر پہنچے تو علقمہ کو لا الہ الا اللہ پڑھتے سنا اندر جا کر بتانے لگے کہ علقمہؓ کی والدہ سے ناراضگی نے اس کی زبان کو شہادت توحید سے روک رکھا تھا۔ اور اس کی رضا مندی نے زبان کو جاری کر دیا۔ چنانچہ علقمہؓ اسی دن فوت ہو گیا۔ حضور ﷺ تشریف لائے اس کے غسل اور کفن کا انتظام فرمایا نماز جنازہ پڑھائی پھر قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا اے مہاجرین و انصار جو شخص اپنی بیوی کو اپنی والدہ پر ترجیح دیتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے فرائض اور نوافل کچھ بھی قبول نہیں ہوتے۔ (تنبیہ الغافلین ص ۱۲۹)۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ

پنگھوڑے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے ایک عیسیٰ بن مریم اور دوسرا جریج والا لڑکا اور جریج ایک عابد انسان تھا اس نے ایک حجرہ بنایا۔ اس میں رہتا تھا۔ اور عبادت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ (ایک دن) اسکے پاس اسکی والدہ آئی۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے بلایا۔ اے جریج اس نے کہا۔ اے رب میری ماں اور میری نماز (کس کا خیال کروں) پس وہ نماز میں مشغول رہا۔ اور اسکی والدہ واپس لوٹ گئی۔ جب دوسرا دن ہوا۔ تو پھر وہ اسکے پاس آئی۔ اور وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ ماں نے پکارا۔ اے جریج۔ اس نے

کہا۔ اے میرے رب۔ (میری ماں اور میری نماز) اور وہ نماز میں مشغول ہوگیا۔ ماں واپس چلی گئی۔ جب تیسرا دن ہوا۔ تو پھر اس کے پاس آئی۔ اور وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا ای جریج۔ جریج نے کہا۔ اے میرے رب میری والدہ مجھے پکارتی ہے۔ اب میں نماز میں ہوں۔ (اب میں کیا کروں) یہ کہہ کر وہ نماز میں مشغول رہا۔ تو اسکی والدہ نے دعا کی۔ اے اللہ پاک اسکو نہ مارنا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کے چہروں کو نہ دیکھے بنی اسرائیل میں جریج اور اسکی عبادت کی عام شہرت تھی۔ اور ایک زانیہ عورت جس کا حسن ضرب المثل تھا۔ اس نے کہا۔ اگر تم چاہو تو میں جریج کو فتنہ میں ڈال سکتی ہوں۔ چنانچہ وہ جریج کے سامنے (بن سنور کر آئی) لیکن جریج نے اسکی طرف توجہ نہ کی پھر وہ ایک چرواہے کے پاس آئی جو اسکے حجرے کے پاس رہا کرتا تھا۔ اور اس عورت نے چرواہے کو اپنے نفس پر قدرت بخشی اور وہ اس پر واقع ہوگیا۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ تو اس نے کہا۔ کہ یہ لڑکا جریج کا ہے۔ پس لوگ جریج کے پاس آئے۔ اور اسکو انہوں نے حجرہ سے باہر نکال دیا اور اسکا حجرہ گرا دیا۔ اور اسکو مارنے پیٹنے لگ گئے۔ جریج نے کہا۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے لوگوں نے کہا۔ تونے فلاں زانیہ عورت سے زنا کیا ہے اور اس نے تجھ سے لڑکا پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا۔ لڑکا کہاں ہے۔ لوگ لڑکے کو لے آئے۔ جریج نے کہا۔ مجھے اجازت دے دو۔ کہ میں نماز پڑھوں اس نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد لڑکے کے پاس آیا۔ اس کے پیٹ میں ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ اے لڑکے۔ تیرا باپ کون ہے اس نے کہا۔ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ جریج کے پاس آئے اسے چومتے تھے۔ اور اسکے بدن کو برکت حاصل کرتے ہوئے ہاتھ لگاتے تھے اور درخواست پیش کررہے تھے

(ریاض الصالحین ص ۱۵۵ و صحیح مسلم ص ۱۰۴ ج ۱۶)

حضرت جریج پر جو آزمائش اور مصیبت آئی وہ ماں کی بددعا کی وجہ سے آئی تھی اس لئے ماں کی بددعا سے بچنا چاہیئے۔

مستجاب الدعوات : ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک ایسی نیکی ہیں۔ جس سے انسان مستجاب الدعوات کے مرتبہ و مقام پر پہنچ سکتا ہے جیسا کہ حضرت اویس قرنی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ ہو

حضرت اسید بن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ

حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس جب اہل یمن کے قافلے پہنچتے۔ تو وہ ان سے دریافت کیا کرتے۔ کہ کیا تم میں کوئی شخص اویس بن عامر نام کا بھی ہے۔ یہاں تک کہ اویس آگیا تو حضرت عمرؓ نے اویس سے پوچھا۔ کیا آپ ہی اویس بن عامر ہیں اس نے جواب دیا۔ ہاں ۔ انہوں نے پوچھا کیا تو مراد قبیلے سے پھر قرن قبیلے سے ہے۔ اویس نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ کیا تو کبھی برص والا بھی تھا۔ اور اب اس سے تندرست ہو گئے ہو۔ صرف ایک درہم کے برابر جگہ باقی رہ گئی ہے اس نے کہا۔ جی ہاں حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے۔ کہ تمہارے پاس اہل یمن کے قافلوں کے ساتھ اویس بن عامر نامی (مراد قبیلہ پھر قرن قبیلہ سے) آئے گا۔ اس کو برص کی بیماری تھی۔ جس سے وہ ایک درہم کے برابر جگہ کے علاوہ تندرست ہو چکا ہوگا۔ اور اسکی والدہ ہوگی۔ جس کا فرماں بردار ہوگا۔ (اس کا مقام یہ ہوگا)۔ کہ اگر وہ اللہ کی قسم اٹھائے۔ تو اللہ اس کی قسم پوری کردے گا اگر تم اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرا سکو۔ تو ضرور کرانا۔ پس (اے اویس) آپ میرے لئے

مغفرت کی دعا کریں۔ تو اس نے حضرت عمرؓ کیلئے مغفرت کی دعا کی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہاں جانا چاہتے ہو۔ اس نے کہا کوفہ۔ کیا میں وہاں کے گورنر کی طرف تیری مدد کے لئے لکھ دوں۔ اس نے کہا مجھے کمزور لوگوں میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ جب آئندہ سال آیا۔ تو وہاں کے سرداروں میں سے ایک آدمی حج کیلئے آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ میں نے اسکو چھوڑا ہے۔ کہ اسکا گھر ٹوٹا پھوٹا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تمہارے پاس اویس بن عامر اہل یمن کے قافلوں کے ساتھ مراد قبیلہ پھر قرن قبیلہ کا آئے گا۔ وہ برص کی بیماری میں مبتلا تھا۔ صرف ایک درہم کی جگہ کے علاوہ اس کا جسم ٹھیک ہو گیا ہو گا۔ اسکی والدہ ہو گی۔ جس کے ساتھ وہ نیکوکار ہو گا۔ اگر وہ اللہ کی قسم کھائے گا تو اللہ پاک اس کی پوری کرے گا اگر ہو سکے۔ کہ وہ تیرے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ تو اس سے دعا کراؤ۔ یہ شخص اویس کے پاس پہنچا۔ اور کہا۔ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اویس نے کہا۔ تم ابھی ابھی نیک سفر کر کے آرہے ہو۔ اویس میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔ اویس نے کہا۔ کیا تیری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی ہے۔ اس نے کہا۔ جی ہاں پس اویس نے اس کیلئے مغفرت کی دعا کی۔ اس پر لوگوں کو پتہ چل گیا اور اویس جس طرف جی میں آیا۔ ادھر روانہ ہو گئے۔ (مسلم)

نیز اسیر بن جابر سے روایت ہے۔ کہ اہل کوفہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بصورت وفد آئے۔ اور ان میں ایک آدمی ایسا تھا۔ جو اویس قرنی سے مذاق کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا قرن قبیلہ سے کوئی شخص یہاں ہے۔ پس وہی انسان آیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا۔ کہ ایک آدمی تمہارے پاس یمن سے آئے گا۔ جس کو اویس کہا جاتا ہوگا۔ وہ یمن میں صرف اپنی والدہ چھوڑ کر آئے گا۔ اس کو برص کی بیماری تھی۔ اس نے اللہ پاک سے دعا کی۔ ایک دینار یا ایک درہم جگہ کے برابر کے علاوہ اس کی بیماری جاتی رہی۔ پس جو شخص تم میں سے اس سے ملاقات کرے۔ تو اویس قرنی سے مغفرت کی دعا کرائے۔ اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ تابعین میں ایک آدمی بہت نیک ہوگا جس کا نام اویس ہوگا اور اس کی والدہ ہوگی اور وہ برص کی بیماری میں مبتلا رہا ہوگا تم اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرانا۔ (مسلم ص ۹۵ ج ۱۷)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک اتنا اعلیٰ عمل ہے کہ اس سے انسان مستجاب الدعوات کے مقام و مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت اویس قرنی ماں کی خدمت کی وجہ سے اس مقام پر پہنچ گئے۔

والدین کے عام حقوق

جو حقوق ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہوتے ہیں وہ سب کے سب والدین کے لئے بالاولیٰ ثابت ہیں۔

۱۔ جب ملاقات ہو سلام کرے۔ ۲۔ جب پکارے تو جواب دے۔ ۳۔ جب چھینکے تو یرحمک اللہ کہے۔ ۴۔ بیمار ہو تو عیادت کرے، ۵۔ فوت ہو جائے تو جنازے میں شرکت کرے۔ ۶۔ اگر اس پر قسم ڈالے تو اس کی قسم کو پورا کرے۔ ۷۔ نصیحت چاہے تو اس کو بہتر بات بتائے۔ ۸۔ اس کی پیٹھ پیچھے اس کو برا نہ کہے۔ ۹۔ اس کے لیے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ ۱۰۔ اس کے حق میں وہ بات بری سمجھے جو اپنے حق میں بری سمجھتا ہے۔

یہ تمام امور احادیث و آثار میں آئے ہیں

۱۱۔ اپنے قول و فعل سے اس کو تکلیف نہ دے۔ ۱۲۔ عاجزی کرے تکبر نہ کرے۔ ۱۳۔ کسی کی دوسرے کے پاس چغلی نہ کرے۔ ۱۴۔ تین دن سے زیادہ ترکِ ملاقات نہ کرے۔ ۱۵۔ حتی الوسع احسان کرے۔ ۱۶۔ بغیر اجازت اس کے پاس نہ جائے۔ ۱۷۔ بوڑھوں کی عزت اور بچوں پر رحم کرے۔ ۱۸۔ اس کے ساتھ ہشاش بشاش نرم رہے۔ ۱۹۔ وعدہ پورا کرے۔ ۲۰۔ لوگوں کا عوض اپنے آپ سے لے۔ ۲۱۔ اس کی عزت و جان و مال کو ظالم سے بچائے اگر قدرت رکھتا ہو۔ ۲۲۔ اس کی قبر کی زیارت کرے۔ اور اس سے مقصود دعا، عبرت اور دل نرم کرنا ہو۔ لیکن زیارت کے لیے سفر نہ کرے کیونکہ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ (اسعاد العباد)

۲۔ اولاد کے حقوق

اولاد کے حقوق والدین پر

جس طرح والدین کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح اولاد کے کچھ حقوق بھی والدین پر ہیں دیگر مذاہب نے حقوق والدین تو متعین کئے ہیں مگر اولاد کے حقوق کے معاملہ میں مکمل خاموشی اختیار کرلی ہے۔ اسلام نے چونکہ ہر طبقہ کے افراد کی کارکردگی کی اصلاح کرنا اور معاشرہ میں اعتدال قائم کرنا تھا لہذا اس مین اولاد کے متعلق والدین کو بچے کے پیدا ہونے سے لیکر بالغ ہونے اور شادی تک شرعی ہدایات کا پابند کیا گیا ہے۔ ان ہدایات اور ذمہ داریوں کا پورا کرنا والدین پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اولاد کی آرزو : اولاد چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس لئے انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ نیک اولاد کی دعا کرنی چاہئے جیساکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِیًّا، وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا،

(مریم ۳،۴)

اس نے عرض کیا اے پروردگار میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر

نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ"

(سورہء بقرہ۔ ۱۸۷)

"اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی (میاں بیوی کا فطری ملاپ) کیا کرو۔ اور اللہ نے جو تمہارے لیے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو"۔

حضرت مجاہد، حضرت حکم، حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، حضرت سدی اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے نزدیک "ما كَتَبَ اللّٰهُ" سے مراد اولاد ہے۔

عظیم مفسر صحابی حضرت عبد اللہؓ بن عباس بھی یہی کہتے ہیں کہ "ما كَتَبَ اللّٰهُ" سے مراد اولاد ہے۔ (تفسیر طبری ص ۹۹ ج ۲)

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے زیادہ اولاد کی صلاحیت والی عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے :

تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمْ

(ابو داؤد ص ۲۸۷ ج ۱)

آپ ﷺ نے فرمایا :

"زیادہ الفت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعے سے اپنی امت بڑھانے والا ہوں۔"

۲۔ نیک اولاد والدین کے لیے دنیا میں باعث امن و سکون اور مرنے کے بعد ان کی دعا باعثِ اجر وثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ لَتُرْفَعُ لَهُ الدَّرَجَةُ فَيَقُوْلُ: "اَىْ رَبِّ اَنّٰى لِىْ هٰذَا"؟ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ مِنْ بَعْدِكَ" (ابن ماجہ ص ۲۰۷ ج ۲)

"بندۂ مؤمن کا جنت میں درجہ یکایک بلند ہو جائے گا تو وہ سوال کرے گا: اے خدا! مجھے یہ درجہ کیسے نصیب ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے مرنے کے بعد، تیری اولاد کی دعائے مغفرت کے سبب۔"

دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْا لَهُ،

(صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۱۱)

"جب انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال بند ہو جاتے ہیں۔ البتہ تین طرح کے اعمال کا اجر جاری رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جو نفع دیتا رہے۔ (۳) نیک اولاد جو (بزرگوں کے لیے) دعا کرے۔"

۳۔ اگر والدین کو زندگی میں اولاد کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑ جائے۔ تب بھی اس میں اجر ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ يَمُوْتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا

الْحِنْثَ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمْ

(بخاری ص ۴۶۵ ج ۱)

"جس مسلمان (مرد، عورت) کے تین نابالغ بچے (بیٹے، بیٹیاں) فوت ہو جائیں، ان بچوں پر شفقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو ضرور جنت میں داخل فرما دے گا۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

أَتَتِ امْرَئَةٌ بِصَبِيٍّ لَهَا فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ لَهُ، فَلَقَدْ دَفَنْتُ ثَلَاثَةً، فَقَالَ: "دَفَنْتِ ثَلَاثَةً"؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ لَهَا: لَقَدِ احْتَظَرْتِ بِحِظَارٍ شَدِيْدٍ مِنَ النَّارِ

(صحیح مسلم ص ۱۸۲ ج ۱۶)

"ایک عورت اپنا بچہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اس بچے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں، میں تین بچے دفن کر چکی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "تین دفن کیے ہیں؟" اس نے کہا۔ "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا: "تب تو تم نے آگ سے محفوظ باڑ (حصار) بنا لیا ہے۔"

اگر کسی مسلمان کے تین بچوں کی بجائے دو بچے ہی فوت ہوئے ہوں تب بھی وہ آگ سے تحفظ کا سامان بن سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ:۔

15023

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِلنِّسَاءِ: مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ يَمُوْتُ لَهَا ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، اِلَّا كَانُوْا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ " فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَانِ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "وَاثْنَانِ"

(بخاری ص ۵۰ ج ۱)

حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں تو وہ آگ سے تحفظ کا سامان بن جائیں گے۔" ایک عورت نے دریافت کیا: اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں دو بچے بھی تحفظ کا سامان ہیں۔"

یہ اجر و ثواب صرف اسی شکل میں ہی ہے کہ جب والدین صبر کرتے ہوئے اجر کے طلبگار ہوں جیساکہ مندرجہ ذیل حدیث سے واضح ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَایَمُوْتُ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَیَحْتَسِبُهُمْ اِلَّا كَانُوْا لَهُ جُنَّةً مِنَ النَّارِ" فَقَالَتِ امْرَأَةٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوِ اثْنَانِ؟ " قَالَ: اَوِ اثْنَانِ" (موطا کتاب الجنائز)

جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں پھر اجر کی نیت کے ساتھ صبر کرے تو یہ بچے اس کے حق میں آگ سے ڈھال بن جائیں گے۔ رسول

اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی ایک عورت نے دریافت کیا: "دو بچوں کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں دو بچے بھی آگ سے ڈھال بن جائیں گے۔"

ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں

نومولود بچے کے کان میں اذان: پیدائش کے بعد بچے کے کان میں اذان کہنا چاہیے حضرت ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ (ترمذی ص ۹۷ ج ۴)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حسن کے کان میں نماز والی اذان دیتے ہوئے دیکھا جب آپ (حسنؓ) حضرت فاطمہؓ کی گود میں پہنچے۔

حضرت ابو رافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان مین اذان پڑھنے کا ذکر کیا لیکن ایک دوسری حدیث سے جو کنز العمال مین مسند ابو یعلی موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی اور اس برکت و تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثر سے بھی ہوتا ہے)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچے کا پہلا حق گھر والوں پر یہ

ہے۔ کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ اسکے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے اذان اور اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے۔ نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اس لئے بچے کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے وقت نومولود مسلمان بچے کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آجائے تو غسل دے کر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی اس طرح یہ بتلادیا اور جتلا دیا کہ مؤمن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور بس اس طرح گزرنی چاہیے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دعائے برکت : ہر پیدا ہونے والے بچے کو کسی میٹھی چیز سی گھٹی دینا چاہیے اور اگر کوئی صاحب علم و تقوی گھٹی دے کر برکت کی دعا بھی کردے تو بہت بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابہؓ کرام کو آپ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نومولود بچے آپؐ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپؐ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا ایسی ہی

کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مل دیں اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تَحْنِیک کہتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ

میرے ہاں بچہ پیدا ہوا میں اسے لیکر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسکا نام ابراہیم تجویز فرمایا اور کھجور کی گھٹی دی (بخاری ص ۲۰۸۱ ج ۵ و مسلم ص ۱۲۵ ا ج ۱۴)

ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور مجھے واپس کر دیا (راوی بیان کرتے ہیں کہ) حضرت ابو موسیٰؓ کا یہ سب سے پہلا بچہ تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ

لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔ تو آپ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور بچے کے منہ میں گھٹی دیتے تھے۔ (مسلم ص ۱۹۳ ج ۳)

حضرت انسؓ حضرت ابو طلحہؓ کے بچے کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

حضرت ابو طلحہؓ نے مجھے کہا: اسے اٹھا لو اور نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور اس کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیج دیں آپؐ نے بچے کو اٹھا لیا اور دریافت فرمایا کیا اس کے ساتھ کوئی چیز بھی لائے ہو؟ عرض کیا جی ہاں کچھ کھجوریں ہیں آپ نے کھجوروں کو چبایا اور اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیں اور عبد اللہ نام تجویز فرمایا

(بخاری ص ۲۰۸۲ ج ۵)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیق سے روایت ہے۔ کہ

وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء مین ان کے ولادت ہوئی اور عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ کہتی ہیں کہ میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھ دیا آپ نے چھوارہ منگوایا اور اس کو چبایا یا پھر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کے تالو پر ملا پھر اس کے لئے برکت کی دعا کی اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا (جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا۔ (صحیح بخاری ص ۱۴۲۲ ج ۳)

صحیح بخاری کی اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خاص کر اس لئے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ کہ یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے۔ کہ ان کے ہاں بچے پیدا ہی نہ ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے۔ وہ ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۰۸۱ ج ۵)

عقیقہ: دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے۔ اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی

شک و شبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے، اور اس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی ہے جو ملت ابراہیمیؑ کی نشانیوں میں سے ہے) رسول اللہ ﷺ نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے

"مَعَ الْغُلاَمِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَامِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى"

(بخاری ص ۲۰۸۲ ج ۵)

"لڑکے کا عقیقہ کرو۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو۔" (سر کے بال صاف کر دو)

حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَنِ الْغُلاَمِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ" (ترمذی ص ۹۷ ج ۴)

"لڑکے کی طرف سے دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری"

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَعُقَّ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَعَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ" (ترمذی کتاب الرضاع)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ "لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور لڑکے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ دیں۔"

مذکورہ بالا حدیثوں سے محسوس ہوتا ہے کہ عقیقہ کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے لہذا عقیقہ کرنا واجب ہے لیکن حقیقۃً سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حکم اس وقت فرض یا واجب کہلاتا ہے۔ جب اس کو چھوڑنے والے کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سزا مقرر کی گئی ہو۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ اور یہ بات بہت واضح ہے کہ عقیقہ نہ کرنے والے کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ یا کوئی حکم اس وقت فرض یا واجب کا درجہ اختیار کرلیتا ہے جب اسے بلا عذر چھوڑنے کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ جب کہ عقیقے کے بارے میں آپ ﷺ نے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ"

(موطا امام مالک کتاب العقیقہ)

"جس کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو اگر وہ اپنے بچے کا عقیقہ کرنا چاہے تو کرلے دوسری روایت میں ہے:

"مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً (ابو داؤد ص ۳۶ ج ۲)

"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پھر وہ اس کا عقیقہ دنیا پسند کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے"

لہذا عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ سنّت مؤکدہ ہے۔ جو عمل کرے گا یقیناً اجر پائے گا۔ جیسے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا، قربانی دینا، فطرانہ ادا کرنا۔ البتہ عقیقہ کرنا کس قدر اہمیت و فضیلت رکھتا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ" (ابو داؤد ص ۳۶ ج ۲)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔"

اس حدیث کی وضاحت امام اہل سنت احمد بن **حنبل** رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

"هٰذَا فِي الشَّفَاعَةِ يُرِيْدُ اَنَّهُ اِذَا لَمْ يُعَقَّ عَنْهُ فَمَاتَ طِفْلاً لَمْ يَشْفَعْ فِي اَبَوَيْهِ" (فتح الباری ص ۱۳ ج ۱۱)

"اس کا تعلق شفاعت سے ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اگر نومولود بچپن میں ہی مر گیا تو اس صورت میں اپنے والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا جب کہ اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو۔"

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہے۔ اور درج ذیل حدیث

میں بھی یہ حکم موجود ہے بکریاں خواہ نر ہوں یا مادہ حکم برابر ہے۔

اُم کرز سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ عقیقہ کے بارے میں فرما رہے تھے :۔

عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اُنَاثًا (ترمذی ص ۹۸ ج ۴ نسائی ص ۱۸۰ ج ۲)

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور اس مین کوئی حرج نہیں ہے کہ عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ۔

حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى (ابوداؤد ص ۳۶ ج ۲ وترمذی ص ۱۰۱ ج ۴ ونسائی ص ۱۸۰ ج ۱)

ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کیا جائے اور اس کا سر منڈوا دیا جائے اور نام رکھا جائے۔

عقیقہ کے جانور کے عوض بچے کے رہن ہونے سے متعلق شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ

اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اسلئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کرادینے مین طبّی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کرادینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتوں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا اسلئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام بھی رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں مین ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہیے۔

حضرت سلمان بن عامر ضبی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

مَعَ الْغُلاَمِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الاَذَى (بخاری ص ۲۰۸۲ ج ۵)

بچّے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچّہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچّے کی طرف سے قربانی کرو اور اس کا سر صاف کرادو۔

عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچے کا سر منڈوا دینا اور دوسرا اس کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے، اور یہ ملت ابراہیمیؑ کے شعائر میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے، اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، اور وہ بھی ملت ابراہیمی ہی کا ایک فرد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا (ابو داؤد ص ۳۶ ج ۲)

(اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اسلئے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی۔ اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو دو مینڈوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابل ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ عَنِ الْحَسَنِ

بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ (ترمذی ص ۹۹ ج ۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی، اور آپ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے۔

اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کرسکتے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کردی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرما دیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کردیں، تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

عقیقے کے دونوں جانور ایک جیسے ہونے چاہئیں یعنی جنس قد اور عمر کے لحاظ سے آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مِثْلَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ (ابوداؤد ص ۳۶ ج ۲ ترمذی ص ۹۶ ج ۴)
لڑکے کی طرف سے دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری نیز عقیقہ صرف بکری یا اس کے مشابہ جانوروں کا ہونا چاہئے جیسا کہ احادیث میں گزر چکا ہے گائے یا اونٹ سے متعلق کوئی صحیح یا قابل اعتماد حدیث موجود نہیں۔

ایک موقع پر حضرت عائشہؓ سے اونٹ ذبح کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے "مَعَاذَ اللّٰہِ" کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔ (مشکل الآثار لامام الطحاوی ص ۷۵۴ ج ۱)
اسی مفہوم کی حدیث مستدرک حاکم کتاب الذبائح میں بھی موجود ہے۔
البتہ بعض روایات میں ملتا ہے۔ کہ کچھ صحابہؓ نے بچے کی پیدائش پر اونٹ ذبح کئے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ اونٹ یا گائے میں قربانی کی طرح حصے نہین ہو سکتے ایک جان ایک جان کی طرف سے ہو گی۔

عقیقہ ساتویں روز کرنا چاہئیے یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن اس کے بعد چودھویں یا اکیسویں دن کو عقیقہ کرنے کے بارے میں جو روایات آئی ہین وہ سب ضعیف ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو پھر بلا تعین یوم جب چاہے کر لے۔

عقیقے کے جانور کی عمر کے بارے میں کوئی حدیث معلوم نہیں ہو سکی لہذا کوئی عمر مقرر کرنا ممکن نہیں البتہ محدثین اور فقہاء کے اقوال کی روشنی مین یہ بات سامنے آئی ہے۔ کہ اس کی عمر اور دیگر شرطین قربانی کے جانور سے قریب تر ہونی چاہئیں۔

عقیقے کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور پکا بھی کھلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں شکلوں میں سے کوئی شکل حدیث سے ثابت نہیں لہذا کسی

ایک طریقہ کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ دونوں شکلیں صحیح اور جائز ہین البتہ اپنی سہولت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

عقیقے کے جانور کی کھال کا مسئلہ براہ راست سنت نبوی سے دستیاب نہیں ہوسکا لہذا قربانی کی کھالوں کی طرح عقیقہ کی کھال کو بھی صدقہ کردیا جائے۔

اگر کسی وجہ سے کسی انسان کا بچپن میں عقیقہ نہ ہوا ہو تو وہ خود بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ کرسکتا ہے جیساکہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا (مجمع الزوائر ص ۵۹ ج ۴)

تسمیہ (نام رکھنا) :۔ بچے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔

احادیث نبویؐ مین اس بارے میں بھی واضح ہدایات وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَی الْوَالِدِ اَنْ یُحْسِنَ اسْمَهُ وَ یُحْسِنَ اَدَبَهُ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

اَوَّلُ مَا یَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ اِسْمُهُ فَلْیُحْسِنْ اسْمَهُ (رواہ ابو الشیخ)

آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے، اسلئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔

حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ آبَائِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَائَکُمْ (احمد ص ۱۹۴ ج ۵، ابن عدی ص ۱۹۵۱ ج ۳)

قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہذا تم اچھے نام رکھا کرو۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :۔

اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِکُم اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ (مسلم ص ۱۱۳ ج ۱۴)

تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے، اور یہ چیز اللہ کو پسند ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے :۔ "سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ" (یعنی پیغمبروں کے ناموں پہ نام رکھو)۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے، جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں۔ مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام منذر رکھا۔ الغرض اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور آپؐ کے ارشادات

سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچّہ کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

ختنہ کرنا: روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ختنہ کیا تھا۔ مشہور تابعی اور فقیہہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ :

"کَانَ اِبْرَاھِیْمُ اَوَّلَ النَّاسِ ضَیَّفَ الضَّیْفَ وَاَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ" (موطا امام مالک ص ۹۲۲ ج ۲)

"سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان کی مہمانداری کی اور تمام لوگوں سے پہلے انہوں نے ختنہ کیا۔"

بظاہر یہ ایک تابعی کا قول ہے۔ حدیث نہیں ہے لیکن صحیح حدیثوں میں اس کے صحیح ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

اِخْتَتَنَ اِبْرَاھِیْمُ وَھُوَ ابْنُ ثَمَانِیْنَ سَنَةً" (بخاری ص ۱۲۲۴ ج ۵)

"حضرت ابراہیم نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۔"

اسلام نے ختنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے بعض فقہاء نے اسے واجب سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نے "سنت مؤکدہ" قرار دیا ہے۔ نتیجہ بہر حال ایک ہے کہ ختنہ کرنا بہت ضروری ہے۔ نہ کرنیوالا گنہگار ہوگا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

"اَلفِطْرَۃُ خَمسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالاِستِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقلِیْمُ الْاَظْفَارِ، وَنَتفُ الاِبطِ" (بخاری ص ۲۲۰۹ ج د)

"پانچ کام فطرتِ انسانی کا حصہ ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال صاف کرنا۔"

ایک آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے حکم دیا۔

"اَلْقِ عَنْكَ شَعرَ الْكُفْرِ وَ اخْتَتِنْ" (ابوداؤد ص ۵۷ ج ۱)

"حالت کفر والے بال اتار دو اور ختنہ کروالو۔"

اگر ختنہ کرنا معمولی مسئلہ ہوتا تو نہ حضرت ابراہیم اسی ۸۰ سال کی عمر میں ختنہ کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ اس آدمی کو حکم دیتے۔

ختنہ کروانا کس قدر اہمیت رکھتا ہے آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان سے واضح ہے:

اِنَّ الاَقْلَفَ لاَ یُتْرَكُ فِی الاِسْلاَمِ حَتّٰی یَخْتَتِنَ وَلَوْ بَلَغَ ثَمَانِیْنَ سَنَةً" (بیہقی ص ۳۲۴ ج ۸)

"بے ختنہ آدمی کو اسلام میں برداشت نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ختنہ کروالے، خواہ اس کی عمر اسی سال ہو۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ختنے کے مسئلے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے واضح ہے فرماتے ہیں:

"اَلاَقْلَفُ لَا تُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ وَلَا تُؤكَلُ ذَبِيْحَتُهُ" (تحفة الودود باحکام المولود ص ۱۴۸)

"بے ختنہ آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس کے ہاتھ کا ذبح شدہ جانور کھایا جائے گا۔"

دوسری جگہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے کہا:

(۲) وَ لاَ يَجُوْزُ لَهُ شَهَادَةٌ

اس کی گواہی جائز نہیں ہے۔

یعنی قابل قبول نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے بے ختنہ آدمی طہارت نہیں کر سکتا اور جب طہارت نہیں کر سکتا تو نماز نہیں پڑھ سکتا لہذا طہارت بنانے اور نماز ادا کرنے کے لئے بھی ختنہ بہت ضروری ہے۔ اور یہ قاعدہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جس کام کے بغیر کوئی فرض ادا نہ ہوتا ہو وہ کام کرنا خود فرض ہو جاتا ہے۔ اہل علم اسے ۔"شرط" کا نام دیتے ہیں۔ لہذا نماز کے لئے وضو شرط ہے اور وضو کے صحیح ہونے کیلئے ختنہ شرط ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جدید طبّی تحقیقات کے مطابق "بے ختنہ" آدمی کو پیشاب کی جگہ پر سرطان کا مرض لاحق ہو جاتا ہے، جو کہ مہلک بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرۃ۔ ۱۹۵)

"اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

لہٰذا اس موذی و مہلک بیماری سے بچنے کے لیے بھی ختنہ بہت

ضروری ہے۔ جو عیسائی کل تک مسلمانوں کا ختنہ کروانے پر مذاق اڑاتے تھے آج جدید تحقیقات آنے پر دھڑا دھڑ خود ختنہ کروا رہے ہیں۔

۳۔ بچے کا ختنہ ابتدائی عمر میں کر دینا چاہیئے بلکہ اگر ساتویں روز کر دیا جائے تو اور بہتر ہے۔ ایک تو بچے کو تکلیف نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس کا جسم انتہائی نرم ہوتا ہے اور زخم بھی جلد صحیح ہو جاتا ہے۔ دوسرا اس لیے کہ ساتویں روز ختنہ کرنا سنت ہے۔ اس سلسلے کی دو حدیثیں ذخیرہ حدیث میں دستیاب ہو سکی ہیں۔ اگرچہ دونوں ضعیف ہیں لیکن دونوں کو جمع کر کے اگر دیکھا جائے تو مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

(ا) عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَخَتَنَهُمَا لِسَبْعَةِ اَیَّامٍ (المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۸۵ بیہقی ص ۳۲۴ ج ۸)

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کا عقیقہ کیا اور ساتویں روز ان دونوں کا ختنہ کروایا۔"

ب۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں :۔

سَبْعَةٌ مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّبِیِّ یَوْمَ السَّابِعِ: یُسَمّٰی وَ یُخْتَتَنُ......الخ (المعجم الاوسط للطبرانی ص ۱۳۳ ج ۲)

ساتویں روز بچے کے معاملے میں سات کام مسنون ہیں : نام رکھنا، ختنہ کرنا......الخ

ساتویں روز ختنہ ہو جائے تو بہت بہتر ورنہ سات سال کی عمر سے پہلے پہلے ضرور کر دیا جائے ورنہ والدین کو گناہ ہو گا۔

۴۔ اگر کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرتا ہے، یا جہالت یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے ختنہ نہیں ہوسکا تو اسے بھی ختنہ کروالینا چاہیئے جیساکہ آپ ﷺ کے فرمان سے واضح ہے "حالتِ کفر والے بال اتار دو اور ختنہ کرلو۔" یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

حُسن ادب اور دینی تربیت :۔ اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں ان کے خاتم سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اس چند روزہ دنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اخروی زندگی کی تمہید اور اس کی تیاری کے لئے ہے جو اصل، حقیقی زندگی ہے۔ اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطۂ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز وفلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اسلیئے رسول اللہ ﷺ نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصور وار ہوگا۔

اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

افْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، (شعب الایمان)

اپنے بچوں کی زبان سے پہلے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہلواؤ۔ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تلقین کرو۔

انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کرلی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان واقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حسین بن علی کی متذکرہء بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تلقین کی جائے، اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے یہ بھی ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقت آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے، اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

حضرت سعید بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

مَا نَحِلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ

(ترمذی ص ۳۴۸ ج ۲)

کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسنِ ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔

یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلی اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ ان کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا آدَابَهُمْ (ابن ماجہ ص ۱۲۱۱ ج ۲)

اپنی اولاد کا اکرام کرو، اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کو حسنِ ادب سے آراستہ کرو۔

اولاد کا اکرام یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالی کا عطیہ اور اس کی امانت سمجھ کر ان کی قدر اور ان کا لحاظ کیا جائے۔ حسب استطاعت ان کی ضروریات حیات کا بندوبست کیا جائے۔ ان کو بوجھ اور مصیبت نہ سمجھا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :۔

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

(ابوداؤد ص ۷۷ ج ۱ شرح السنۃ ص ۴۰۶ ج ۲)

تمہارے بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہوجائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو، اور ان کے بستر بھی الگ الگ کردو۔

عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار اور باشعور ہوجاتے ہیں، اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہیے، اور اس کے لئے ان سے

نماز کی پابندی کرانی چاہیے دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغت کا زمانہ قریب آجاتا ہے۔ اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہیئے۔ اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہیے۔ نیز اس عمر کو پہونچ جانے پر ان کو الگ الگ سلانا چاہیے، ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہیئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی، اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت

۱۔ بچیوں کی آمد پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی دل میں رنجیدہ ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں انسان اپنے رب کا ناشکرا اور تقدیر الٰہی کا باغی محسوس ہوتا ہے کیونکہ بیٹے اور بیٹیاں عنایت کرنے والی ایک ہی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ“ (سورۂ شوریٰ ۴۹، ۵۰)

”زمین اور آسمان کی بادشاہی صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے۔ جو چاہے پیدا کرے جسے چاہے بچیاں عنایت کرے اور جسے چاہے بچے (مذکر) عنایت فرمادے یا انہیں مذکر مؤنث ملے جلے عطا کرے اور جسے چاہے بانجھ

بنادے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا اور قدرت رکھتا ہے۔"

یعنی انسانی تخلیق میں کسی کے آرادہ و اختیار بلکہ علم و خبر میں بھی کوئی دخل اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ جو اسکی تخلیق کا ظاہری سبب بنتے ہیں انہیں خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچہ کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں۔ تخلیق میں دخل ہونا تو دور کی بات ہے بچہ کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا، کیسا اور کس طرح بن رہا ہے۔ یہ صرف حق تعالیٰ کا کام ہے۔ کہ کسی کو اولاد لڑکیاں دے دیتا ہے کسی کو نرینہ اولاد لڑکے بخش دیتا ہے کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے اور کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے۔ کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔

ان آیات میں بچوں کے اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واثلہ بن اسقعؓ نے فرمایا کہ

جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔

(قرطبی ص ۴۸ ج ۱۶)

آج تک بھی بہت سے علاقوں اور طبقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے۔ اور اسکے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے، لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بیچاری لڑکی کو باعثِ ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا، اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے

تھے، یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ، اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ، (النحل۔ع ۷)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے، تو وہ دل مسوس کے رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا، اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے، کیا اس نومولود بچّی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لیجا کے مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں ان عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھئے!:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ وُلِدَتْ لَهٗ ابْنَةٌ فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا، يَعْنِي الذُّكُوْرَ، اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ (احمد ص ۲۲۳ ج ا حاکم ص ۱۷۷ ج ۴)

جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اسے ایذا پہونچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے، اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کیساتھ

کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ (بخاری ص ۸۱۴ ج ۲، مسلم ص ۳۷۹ ج ۲)

جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔

حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔

اور وہ یہ کہ:۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بیچاری کو دے دی۔ اسنے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے، اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ:۔

"جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے، اور وہ ان کے

ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی، اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک اور دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دے دی۔ اور ایک خود کھانے کے لئے منہ میں رکھنے لگی بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی بلکہ وہ بھی آدھی کرکے دونوں بچیوں کو دے دی حضرت عائشہؓ اس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ :۔ "اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرما دیا۔"

ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہوگیا ہو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهُ (مسلم ص ۱۸۰ ج ۱۶)

جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔ راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ (یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے۔

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :۔

مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلٰثَ اَخَوَاتٍ اَوْ اُخْتَيْنِ اَوْ بِنْتَيْنِ فَاَدَّبَهُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ

(ابو داؤد ص ۳۵۳ ج ۲ وترمذی ص ۳۱۸ ج ۴)

جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں، یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کیلئے جنت کا فیصلہ ہے۔

ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے حسنِ سلوک کو لڑکیوں کا صرف حق ہی نہیں بتلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلہء جنت اور عذابِ دوزخ سے نجات کا آپ نے اعلان فرمایا، اور یہ انتہائی خوش خبری سنائی کہ

لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہل ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔ (معارف الحدیث ص ۴۴ ج ٦)

بچوں سے محبت کرنا: نرمی، شفقت، پیار اور عمدہ سلوک اسلامی اخلاق کی عظیم خوبی ہے۔ ہر انسان اس کا حقدار اور ہر انسان پر دوسرے کے لیے واجب ہے کیونکہ جو تربیتی و تعلیمی نتائج شفقت و پیار سے حاصل کیے جاسکتے ہیں، کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ، يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى سِوَاهُ" (صحیح مسلم ص ۱۴٦ ج ۱٦)

"اللہ تعالیٰ نرم مزاج ہیں، نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔ نرمی کی بدولت جو کچھ عطا فرماتے ہیں وہ سختی پر عطا نہیں کرتے، بلکہ کسی دوسرے طریقے سے بھی وہ چیز نہیں مل سکتی۔"

اور پھر بچے تو اس نرمی و لطافت کے اور زیادہ حقدار ہوتے ہیں کہ ان سے پیار کیا جائے، ان کا بوسہ لیا جائے، ان سے شفقت کا سلوک کیا جائے: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ:

قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسِ التَّمِيْمِيْ جَالِسٌ، فَقَالَ

الْاَقْرَعُ: اِنَّ لِیْ عَشَرَۃً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ اَحَدًا مِنْهُمْ، فَنَظَرَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ، فَقَالَ: مَنْ لَا یَرْحَمْ لَمْ یُرْحَمْ" (بخاری ص ۸۸۷ ج ۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ بن علی کا بوسہ لیا۔ پاس ہی حضرت اقرعؓ بن حابس بیٹھے ہوئے تھے، اقرع کہنے لگے: "میرے دس بچے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی بچے کا بوسہ نہیں لیا۔" رسول اللہ ﷺ نے ادھر نگاہ اٹھائی اور فرمایا: "مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ" "جو کسی پر رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، فَقَالُوْا: تُقَبِّلُوْنَ صِبْیَانَکُمْ؟ فَقَالُوْا نَعَمْ! قَالُوْا: وَاللّٰهِ لٰکِنَّا مَا نُقَبِّلُ، فَقَالَ: اَوَ اَمْلِكُ اِنْ کَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْ قُلُوْبِکُمُ الرَّحْمَةَ" (صحیح بخاری ص ۸۸۷ ج ۲)

"کچھ دیہاتی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سوال کیا: "کیا تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟ حاضرین (محفل میں موجود صحابہ کرامؓ) نے جواب دیا۔ "ہاں، ہاں، ہم بوسہ لیتے ہیں" آنے والوں نے کہا: "لیکن ہم تو ایسا نہیں کرتے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت و شفقت ہی نکال کر پھینک دی ہو تو

میں کیا کر سکتا ہوں؟

لہذا بچوں سے پیار محبت کا سلوک کرنا، ان سے شفقت سے پیش آنا جہاں فطرت انسانی کا حصہ ہے دہاں اگر یہ کام سنتِ نبویؐ سمجھ کر کیا جائے تو یہ کار ثواب اور تربیت اخلاق کا بہترین مظہر ہے۔

تربیت اولاد: انسان اپنی اولاد کی پرورش کے لیے اور ان کی ردریات پورا کرنی کے لیے ہزراروں جتن کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی اس کے ساتھ ساتھ ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انکی تربیت اسلامی طریقے سے کرے۔ ان کو اسلامی احکام کی تعلیم دے، اسلامی اخلاق کا عادی بنائے اور کوشش کرے کہ یہ اخلاق و عادات رفتہ رفتہ اس کی زندگی کا حصہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ" (تحریم۔۶)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

حضور اکرم ﷺ کی رحیم و شفیق ذات جو ہر معاملے میں سراپا رحمت ہے، انہوں نے بھی دین کے فرائض کے معاملے میں اولاد پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ دنیا کی معمولی سختی حتیٰ کہ مار پیٹ کی سزا بھی آخرت کے عذاب سے ہزار درجے بہتر اور نفع بخش ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"مُرُوْا اَبْنَائَکُمْ بِالصَّلاۃِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا لِعَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ" (احمد ص ۱۸۷ ج ۲)

"سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم دو (اور اگر نہ پڑھیں) تو دس سال کی عمر میں انہیں مارو اور ان کے بستر علیحدہ علیحدہ کر دو"

اسی ذمہ داری کو آپ ﷺ نے عمومی انداز سے بھی بیان فرمایا ہے تاکہ اولاد، بیوی اور دیگر زیر تربیت افراد کا بھی انسان احساس کرے اور ان کی تربیت کو ایک فرض کا درجہ دیتے ہوئے اسے ادا کرے۔

فرمایا:

"کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" (بخاری ص ۳۵۴ ج ۱)

تم میں سے ہر فرد ذمہ دار ہے اور اپنی اپنی حلقہء ذمہ داری کا اس سے حساب ہوگا۔"

اور بالخصوص اولاد (جو دنیا میں انسان کے لیے باعث سکون اور ان کی نیکیاں اور دعائیں آخرت کا زاد راہ ہیں) کی تربیت انسان پر فرض ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ:۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا حَقُّ الْوَالِدِ فَمَا حَقُّ الْوَلَدِ، قَالَ: اَنْ یُحْسِنَ اسْمُہٗ وَیُحْسِنَ اَدَبَہٗ" (کنز العمال ص ۴۱۷ ج ۱۶)

ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ والد کے (اپنی اولاد پر) حقوق کیا ہیں؟ آپ بتادیں: اولاد کے (والد پر) کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "والد اس

کا نام اچھا رکھے، اور اس کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کرے۔"

اسی موضوع کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے "بیٹیوں کی پرورش" والا مضمون دوبارہ پڑھ لیں۔

والدین کے ذمے اولاد کے حقوق میں سے اہم ترین حق یہ ہے کہ ان کے درمیان عدل و انصاف کا سلوک کریں۔ اس کی وجہ سے جہاں اولاد اور والدین کے درمیان رشتہ خلوص اور اطاعت باقی رہتا ہے وہاں باہم بھائی بہنوں کے درمیان بھی چپقلش، شکر رنجی یا حسد کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ انہی مقاصد کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ" (مسلم ص ۶۷ ج ۱۱)

"اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو۔"

اگر کسی صحابی نے لاعلمی کی وجہ سے اولاد کے درمیان انصاف نہیں کیا تو آپ ﷺ نے اسے ٹوک دیا اور انصاف کا حکم دیا:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میرے والد مجھے لیکر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لیکر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کردیا ہے (بعض روایت میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، بہر حال) آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا:۔ "کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی دیا ہے؟۔" انھوں نے عرض کیا کہ:۔ نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ نے فرمایا:۔

پھر یہ تو ٹھیک نہیں ۔ اور فرمایا کہ :۔ اس کو واپس لے لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ :۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ :۔ ہاں ! حضرتؐ یہ تو ضرور چاہتا ہوں !۔ تو آپؐ نے فرمایا :۔ پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) ۔ اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے) کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ ﷺ کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد نعمان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لئے کچھ ہبہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ میں حضور کو اس کا گواہ بنادوں (اور اس طرح حضورؐ کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپؐ نے ان سے پوچھا کہ :۔ کیا تم نے اپنے اور سب بچوں کے لیے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے ؟ ۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو)۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کرلیا اور ہبہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے : حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ : میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (صحیح مسلم ص ۳۷ ج ۲)

جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی

ہے اور اس کو جور یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ دادو دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے۔ لیکن اکثر فقہاء نے اور ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل و قرائن کی بناء پر) اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے جو شرعاً معتبر ہو: لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جدوجہد نہیں کر سکتا تو اس کے ساتھ خصوصی سلوک عدل و انصاف کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین و ملت کی خدمت میں اس طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جدوجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز بلکہ باعثِ اجر ہوگا۔ علی ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

سَوُّوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلاً اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ (طبرانی کبیر ص ۳۵۴ ج ۱۱)

دادو دہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ

کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی اگر مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے)

اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

نکاح اور شادی کی ذمہ داری: رسول اللہ ﷺ نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے، اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ وَأَدَبَهُ فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى أَبِيْهِ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱ ج ۲)

جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے، پھر جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے تو اس

کے نکاح کا بندوبست کرے، اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام مین مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔

اس حدیث میں اولاد کے قابلِ شادی ہوجانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی رہی ہے جسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بیحد بھاری اور بوجھل بنالیا ہے اور ان کی رسم و رواج کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہء حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کیے تھے، تو یہ کام اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لیے جمعہ کی نماز ادا کرنا، اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

اخلاقیات: جس طرح بچے کی صحت کا خیال رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بچے کے اخلاق کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنا والدین کی ذمہ داری ہے۔

۱۔ بچوں پر بہت زیادہ غصے کا اظہار نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کی موجودگی مین غصے کے انداز میں بولا جائے۔ اس سے بچے کا ذہن

متأثر ہوتا ہے۔ ابتداء میں بچہ گھبراہٹ اور الجھن محسوس کرتا ہے اور سہما سہمارہتا ہے بالآخر خود بھی غصے سے بات کرتا ہے اور یہی عادت ساری عمر اس کے ساتھ رہتی ہے۔

۲۔ جلد بازی، بے ترتیبی بھی بچے کے اخلاق پر برا اثر مرتب کرتی ہے چنانچہ وہ سنجیدگی سے اور سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا بلکہ خود بھی ساری زندگی جلد باز اور غیر مرتب رہتا ہے۔

۳۔ بے ہودہ محفلوں، بدکلام دوستوں اور نکمّے ساتھیوں سے بچے کو اتنی احتیاط سے بچایا جائے جس طرح اسے زہر آلود غذاؤں سے بچانا ضروری ہے۔

۴۔ بچے کو اچھے اخلاق کا عادی بنایا جائے۔ مثلاً سچ بولنا، بڑوں کا ادب کرنا، ہم عمروں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا، چھوٹوں سے پیار کرنا، محتاجوں کی مدد کرنا، پڑوسیوں کا لحاظ کرنا، غریبوں اور فقیروں پر ترس کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتین اگر بچپن سے ہی آہستہ آہستہ بچے کے ذہن مین نقش کی جائیں گی تو ساری عمر اس کا اثر اس کی زندگی میں نظر آئے گا۔

۵۔ چوری، جھوٹ، بددیانتی، فریب، دھوکہ، مکر جیسے گھناؤنے کاموں سے بچے کو بچایا جائے۔ اس کا سب سے خوبصورت طریقہ یہ ہے

کہ خود ایسے کام نہ کیے جائیں اور نہ ہی کوئی ایسا واقعہ بچے کو سنایا جائے جس میں ان چیزوں کا تذکرہ موجود ہو۔

۶۔ لاڈ، پیار اور محبت کے نام سے بچے کو سست، آرام پرست نکما اور بے عمل نہ بنادیا جائے بلکہ اسے کام کرنے کی عادت ڈالی جائے اور کام کرنے والے بچے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۷۔ علم ایک ایسی دولت ہے جس کی تعریف کرنی بھی ناممکن ہے۔ بچے کو پانچ چھ سال کی عمر سے لے کر تعلیم دلوانی شروع کردی جائے دنیاوی تعلیم بھی زندگی کے حسن و آسائش کے لیے انتہائی ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔ نماز، ناظرہ قرآن، آخری پارے کی کم از کم بیس سورتیں اور ضروری مسنون دعائیں بچے کو ابتدائی عمر میں یاد کروادی جائیں۔

۸۔ بلا ضرورت کھانا، فضول باتیں کرنا، بہت زیادہ سونا بچے کی صحت اور اخلاق کو تباہ کرنے والے ہیں اس کے ساتھ ساتھ دنیا کا سکون اور آخرت کی نجات بھی خطرے میں ہے لہذا احتیاط ضروری ہے۔

۹۔ بچے کو کسی شکل میں بھی نشے یا سگریٹ کا عادی نہ بنایا جائے۔ بعض مائیں اپنے آرام یا کاموں کی خاطر بچے کو افیون دے کر سلا دیتی ہیں۔ اتنی بڑی دشمنی کوئی کافر دشمن بھی کسی انسان کے ساتھ نہیں کرسکتا جتنی دشمنی یہ مائیں کرتی ہیں۔ بسا اوقات یہی چھوٹی

سی بھول یا نادانی بچے کو ساری عمر کے لیے نشے کا غلام بنا دیتی ہے جس سے انسان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ انتہائی سخت ضرورت کے بغیر نیند لانے والی گولی کا بھی یہی نقصان ہے اس سے بھی پرہیز کیا اور کروایا جائے۔

۱۰۔ خالص ریشم یا ریشم نما کپڑوں کا استعمال لڑکوں کے لیے بہتر نہیں۔ اگرچہ خالص ریشم صرف مردوں پر حرام ہے۔ لیکن لڑکوں کو اس لیے منع کر دیا جائے تاکہ ان کے جسم میں نزاکت اور زنانہ پن نہ پیدا ہو۔

۱۱۔ حالات اور امکانات کے پیش نظر بچوں کے کھیلنے کا بھی مناسب موقع ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں خواہ مخواہ کی سختی بچے کو ست اور نااہل بنا دیتی ہے۔ موجودہ زمانے میں بیسیوں قسم کی کھیلیں موجود ہیں۔ ایسی کھیل کا انتخاب بہتر ہے جس میں وقت اور سرمایہ کم لگے، بھاگنے دوڑنے اور مقابلہ کرنے کا موقع زیادہ ہو۔ لڑکیوں کے لیے بھی کھیل یا تفریح کوئی گناہ نہیں ہے بس لڑکوں سے میل جول یا نمائشِ عوام نہ ہو۔

۱۲۔ صحت، اخلاق اور تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکوں اور لڑکیوں کو کسی نہ کسی قسم کا فن ضرور سکھانا چاہیے۔ اور بالخصوص لڑکیوں کو سلائی، کڑھائی، کھانا بنانا یا دستکاری کا کوئی اور ہنر ضرور سکھا دیا جائے تاکہ مستقبل میں وہ اپنی توانائیوں سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور معاشرے کو بھی فائدہ دے۔ (تہذیب اطفال)

میاں، بیوی کے حقوق

میاں بیوی کے باہمی حقوق

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں نیز زندگی کا سکوں اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری اور باہمی الفت و اعتماد پر موقوف ہے پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بھی اس صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو دل جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کیلئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنی شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے اپنی دنیا اور

آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے اس کی قدر کرے اور اس سے محبت کرے اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے صبر و تحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

میاں بیوی کے حقوق کے بارے میں ایک جامع آیت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(سورہ بقرہ آیت : ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے۔ جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق،

مذکورہ آیت عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض اور ان کے درجات کے بیان میں ایک شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کئی رکوع تک اسی ضابطہ کی اہم جزئیات کا بیان ہے۔

اسلام میں عورت کا موقف : اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عورت کے اس موقف کی کچھ تشریح کردی جائے جو اسلام نے اس کو عطا کیا ہے، جس کو سمجھ لینے کے بعد یقینی طور پر اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایک عادلانہ اور معتدلانہ نظام کا مقتضی یہی تھا، اور یہی وہ مقام ہے جس سے اونچ نیچ یا انحراف انسان کے دین و دنیا کے لئے عظیم

خطرہ بن جاتا ہے۔

غور کیا جائے تو دنیا میں دو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اس عالم کی بقاء اور تعمیر وترقی میں عمود کا درجہ رکھتی ہیں، ایک عورت، دوسرے دولت، لیکن تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو یہی دونوں چیزیں دنیا میں فساد و خوں ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا سبب بھی ہیں، اور غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ دشوار نہیں کہ یہ دونوں چیزیں اپنی اصل میں دنیا کی تعمیر و ترقی اور اس کی رونق کا ذریعہ ہیں، لیکن جب کہیں ان کو اپنے اصلی مقام اور موقف سے ادھر ادھر کردیا جاتا ہے تو یہی چیزیں دنیا میں سب سے بڑا زلزلہ بھی بن جاتی ہیں۔

قرآن نے انسان کو نظام زندگی دیا ہے اس میں ان دونوں چیزوں کو اپنے اپنے صحیح مقام پر ایسا رکھ گیا ہے کہ ان کے فوائد و ثمرات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں، اور فتنہ و فساد کا نام نہ رہے، دولت کا صحیح مقام، اس کے حاصل کرنے کے ذرائع اور خرچ کرنے کے طریقے اور تقسیمِ دولت کا عادلانہ نظام یہ ایک مستقل علم ہے جس کو ''اسلام کا معاشی نظام'' کہا جا سکتا ہے۔

اس وقت عورت اور اس کے حقوق و فرائض کا ذکر ہے، اس کے متعلق آیتِ مذکورہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے، ہاں اتنا فرق ضروری ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے، اور تقریباً یہی مضمون سورۂ نساء کی آیت میں اس طرح آیا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (آیت : ۳۴)

"یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی اللہ نے دی ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال"

اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا درجہ : اسلام سے پہلے زمانہ ء جاہلیت مین تمام دنیا کی اقوام میں جاری تھا کہ عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی اشیاء سے زیادہ نہ تھی، چوپاؤں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اس کو اپنی شادی بیاہ میں کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا، اس کے اولیا جس کے حوالے کر دیتے وہاں جانا پڑتا تھا، عورت کو اپنے رشتہ داروں کی میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا تھابلکہ وہ خود گھریلو اشیاء کی طرح مالِ وراثت سمجھی جاتی تھی، وہ مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی اس کی ملکیت کسی چیز پر نہ تھی اور جو چیزیں عورت کی ملکیت کہلاتی تھیں ان میں اس کو مرد کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہ تھاہاں اس کے شوہر کو ہر قسم کا اختیار تھا کہ اس کے مال کو جہاں چاہے اور جس طرح چاہے خرچ کرڈالے، اس کو پوچھنے کا بھی کوئی حق نہ تھا، یہاں تک کہ یورپ کے وہ ممالک جو آجکل دنیا کے سب سے متمدن ملک سمجھے جاتے ہیں ان میں بعض لوگ اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کے انسان ہونے کو بھی تسلیم نہ کرتے تھے۔

عورت کے لئے دین و مذہب میں بھی کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا تھا نہ جنت کے، روما کی بعض مجلسوں میں باہمی مشورہ سے یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ ایک ناپاک جانور ہے جس میں روح نہیں، عام

طور پر باپ کے لئے لڑکی کا قتل بلکہ زندہ در گور کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا، بلکہ یہ عمل باپ کے لئے عزت کی نشانی اور شرافت کا معیار تصور کیا جاتا تھا، بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عورت کو کوئی بھی قتل کر دے نہ تو اس پر قصاص واجب ہے نہ خوں بہا، اور اگر شوہر مر جائے تو بیوی کو بھی اس کی لاش کے ساتھ جلا کر ستی کر دیا جاتا تھا، رسول کریم ﷺ کی ولادت کے بعد اور آپؐ کی نبوت سے پہلے ۵۸۶ء میں فرانس نے عورت پر یہ احسان کیا کہ بہت سے اختلافات کے بعد یہ قرار داد پاس کی کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

الغرض پوری دنیا اور اس میں بسنے والے تمام اقوام و مذاہب نے عورت کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہوا تھا کہ جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس بیچاری مخلوق کے لیے نہ کہیں عقل و دانش سے کام لیا جاتا تھا نہ عدل و انصاف سے۔

قربان جایئے رحمۃ للعالمین ﷺ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین حق کے جس نے دنیا کی آنکھیں کھولیں، انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل و انصاف کا قانون جاری کیا، عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم کیے جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اس کو آزاد و خود مختار بنایا، وہ اپنی جان و مال کی ایسی ہی مالک قرار دی گئی جیسے مرد، کوئی شخص خواہ باپ دادا ہی ہو بالغ عورت کو کسی شخص کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اگر بلا اس کی اجازت کے نکاح کر دیا جائے تو وہ اس کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر نامنظور کر دے تو باطل ہو جاتا ہے، اس کے اموال میں کسی مرد کو بغیر اس کی رضا و اجازت کے کسی تصرف کا کوئی حق نہیں، شوہر کے مرنے ؛

طلاق دینے کے بعد وہ خود مختار ہے کوئی اس پر جبر نہیں کر سکتا، اپنے رشتہ داروں کی میراث میں اس کو بھی ایسا ہی حصہ ملتا ہے جیسا لڑکوں کو، اس پر خرچ کرنے اور اس کے راضی رکھنے کو شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے ایک عبادت قرار دیا، شوہر اس کے حقوق واجبہ ادا نہ کرے تو وہ اسلامی عدالت کے ذریعہ اس کو اداءِ حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کر سکتی ہے۔

عورتوں کو مردوں کی نگرانی سے آزادی فساد عالم کا سبب ہے

عورت کو اس کے حقوق مناسبہ نہ دینا ظلم و جور اور قساوت و شقاوت تھی جس کو اسلام نے مٹایا ہے، اسی طرح ان کو کھلے مہار چھوڑ دینا اور مردوں کی نگرانی و سیادت سے آزاد کر دینا، اس کو اپنے گذارے اور معاش کا خود متکفل بنانا بھی اس کی حق تلفی اور بربادی ہے نہ اس کی ساخت اس کی متحمل ہی اور نہ گھریلو کاموں کی ذمہ داری اور اولاد کی تربیت کا عظیم الشان کام جو فطرۃً اس کے سپرد ہے وہ اس کی متحمل ہے۔

علاوہ ازیں مردوں کی سیادت و نگرانی سے نکل کر عورت پورے انسانی معاشرہ کے لئے خطرہ عظیم ہے جس سے دنیا میں فساد و خونریزی اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہونا لازمی اور روز مرہ کا مشاہدہ ہے، اس لئے قرآن کریم نے عورتوں کے حقوقِ واجبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یعنی مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے، اور دوسرے لفظوں میں یہ کہ مردان کے نگراں اور ذمہ دار ہیں۔

مگر جس طرح اسلام سے پہلے جاہلیت اولیٰ میں اقوامِ عالم سب اس غلطی کا شکار تھیں کہ عورتوں کو ایک گھریلو سامان یا چوپایہ کی حیثیت میں رکھا ہوا تھا

اسی طرح اسلام نے زمانہ انحطاط میں جاہلیت اُخریٰ کا دور شروع ہوا۔ اس میں پہلی غلطی کا رد عمل اس کے بالمقابل دوسری غلطی کی صورت میں کیا جارہا ہے، کہ عورتوں پر مردوں کی اتنی سیادت سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے اور کرانے کی سعیِ مسلسل جاری ہے، جس کے نتیجے میں فحش و بے حیائی عام ہوگئی دنیا جھگڑوں اور فساد کا گھر بن گئی، قتل و خوں ریزی کی اتنی کثرت ہوگئی کہ جاہلیت اولی کو مات دیدی، عرب کا مشہور مقولہ ہے "اَلْجَاهِلُ اِمَّا مُفْرِطٌ اَوْ مُفَرِّطٌ" (یعنی جاہل آدمی کبھی اعتدال پر نہیں رہتا، اگر افراط یعنی حد سے زیادہ کرنے سے باز آجاتا ہے تو کوتاہی اور تقصیر میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

یہی حال اس وقت ابنائے زمانہ کا ہے کہ یا تو عورت کو انسان کہنے اور سمجھنے کے لئے بھی تیار نہ تھے اور آگے بڑھے تو یہاں تک پہنچے کہ مردوں کی سیادت و نگرانی جو مردوں، عورتوں اور پوری دنیا کیلئے عین حکمت و مصلحت ہے اس کا جوا بھی گردن سے اتارا جارہا ہے، جس کے نتائجِ بد روزانہ آنکھوں کے سامنے آرہے ہیں، اور یقین کیجئے کہ جب تک وہ قرآن کے اس ارشاد کے سامنے نہ جھکیں گے۔ ایسے فتنے روز بڑھتے رہیں گے۔

آج کی حکومتیں دنیا میں قیامِ امن کے لئے روز نئے نئے قانون بناتی ہیں۔ اس کے لئے نئے نئے ادارے قائم کرتی ہیں، کروڑوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے، لیکن فتنے جس چشمے سے پھوٹ رہے ہیں اس کی طرف دھیان نہیں دیتیں، اگر آج کوئی کمیشن اس تحقیق کے لئے بٹھایا جائے کہ فساد و خوں ریزی اور باہمی جنگ و جدل کے اسباب کی تحقیق کرے تو خیال یہ ہے کہ پچاس فی صد سے زائد ایسے جرائم کا سبب عورت اور اس کی بے مہار آزادی نکلے گی، مگر آج کی دنیا میں نفس پرستی کے غلبہ نے بڑے بڑے

حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے، خواہشاتِ نفسانی کے خلاف کسی مصلحانہ قدغن کو گوارا نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو نور ایمان سے منور فرمائیں اور اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، کہ وہی دنیا و آخرت میں سرمایہء سعادت ہے۔

اس آیت کے ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے زوجین کو ان کے ذمہ عائد ہونے والے فرائض بتلائے کہ مردوں کے ذمہ عورتوں کے حقوق ادا کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے کہ عورتوں پر مردوں کے حقوق کا ادا کرنا فرض ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ہر فریق کو اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے بجائے اپنے فرائض پر نظر رکھنا چاہیئے، اور اگر وہ ایسا کرلیں تو مطالبہء حقوق کا قضیہ ہی درمیان میں نہیں آئے گا، کیونکہ مرد کے فرائض ہی عورت کے حقوق ہیں اور عورت کے فرائض ہی مرد کے حقوق ہیں، جب فرائض ادا ہوگئے تو خود بخود حقوق ادا ہوجائیں گے، آجکل دنیا کے سارے جھگڑے یہاں سے چلتے ہیں کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو سامنے رکھتا ہے مگر اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہے۔

اس کا نتیجہ مطالبہء حقوق کی جنگ ہوتی ہے جو آج کل عام طور پر حکومتوں اور عوام میں، زوجین میں، اور دوسرے اہل معاملہ میں چلی ہوئی ہے، قرآنِ کریم کے اس اشارہ نے معاملہ کے رخ کو یوں بدلا ہے کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے فرائض پورا کرنے کا اہتمام کرے، اور اپنے حقوق کے معاملہ میں مساہلت اور عفو و درگزر سے کام لے، اگر اس قرآنی تعلیم پر دنیا میں عمل ہونے لگے تو گھروں اور خاندانوں کے بلکہ ملکوں اور حکومتوں کے بیشتر نزاعات

ختم ہو جائیں۔

مرد و عورت میں درجہ کا تفوّق دنیوی معاملات میں ہے، آخرت کی فضیلت میں اس کا کوئی اثر نہیں: دنیا میں نظامِ عالم اور انسانی فطرت اور خود عورتوں کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ مردوں اور عورتوں پر ایک قسم کی حاکمیت اور نگرانی کا نہ صرف حق دیا جائے بلکہ ان پر لازم کیا جائے، اسی کا بیان آیت "**اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ**" میں آیا ہے، لیکن اس سے سب مردوں کا سب عورتوں سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ فضیلت عند اللہ کا تمام تر مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے، وہاں درجات کی ترقی و تنزل ایمان اور عمل کے درجات کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے امور آخرت میں یہ ضروری نہیں کہ مردوں ہی کا درجہ عورتوں سے بلند رہے، یہ بھی ہوسکتا ہے اور حسب تصریح آیات و روایات ایسا ہوگا بھی کہ بعض عورتیں اپنی طاعت و عبادت کے ذریعہ بہت سے مردوں پر فائق ہو جائیں گی، ان کا درجہ بہت سے مردوں سے بڑھ جائے گا۔

قرآن مجید میں احکام شرعیہ اور اعمال کی جزاء و سزا اور ثواب و عذاب کے بیان میں اگرچہ حسبِ تصریح قرآن کریم عورتیں اور مرد بالکل برابر ہیں اور جن احکام میں کچھ فرق ہے، ان کو مستقل طور پر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، لیکن عام طور پر خطاب مردوں کو کیا گیا ہے، اور صیغے مذکر کے استعمال کئے گئے ہیں، اور یہ بات صرف قرآن کریم کے ساتھ مخصوص نہیں، عام طور پر حکومتوں کے قوانین میں بھی صیغے مذکر کے استعمال کئے جاتے ہیں، حالانکہ قانون مرد و عورت کے لئے عام ہوتا ہے، اس کا ایک سبب تو وہی فرق ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیات میں مذکور ہوا ہے، کہ

مردوں کو عورتوں پر ایک حیثیت سے تفوق حاصل ہے۔

دوسری بات شاید یہ بھی مضمر ہو کہ مستورات کے ذکر کے لئے بھی ستر ہی بہتر ہے، لیکن ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے اس کا اظہار کیا تو سورہء احزاب کی یہ آیت نازل ہو گئی :۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ (آیت۔۳۵)

جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا مستقل ذکر واضح کر دیا گیا، کہ طاعت و عبادت اور اس کی وجہ سے حق تعالیٰ کے قرب و رضا اور درجاتِ جنت میں عورتوں کا درجہ مردوں سے کچھ کم نہیں،

(یہ روایت نسائی، مسند احمد، اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں مفصل مذکور ہے)

اور تفسیر ابن کثیر میں ایک روایت یہ ہے کہ بعض مسلمان عورتیں ازواج مطہراتؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ قرآن کریم میں جابجا مردوں کا تو ذکر ہے عورتوں میں سے ازواج مطہراتؓ کا بھی مستقل تذکرہ ہے مگر عام مسلمان عورتوں کا ذکر نہیں، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی نظام میں عورتوں پر مردوں کا ایک گونہ تفوق اور حاکمیت انکی مصلحت اور حکمت کا تقاضا ہے، ورنہ نیک و بد عمل کی جزاء و سزا اور درجات کا آخرت میں کوئی فرق نہیں۔

قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ یہی مضمون اور بھی وضاحت سے اس طرح مذکور ہے :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

حَيٰوةً طَيِّبَةً (سورۂ نحل۔۹۷)

''یعنی جو مرد و عورت نیک عمل کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔''

اس تمہید کے بعد اصل آیت کے الفاظ پر غور کیجئے، ارشاد فرمایا **لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ** یعنی ان کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں جیسے کہ ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں، اس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر مردوں کے حقوق سے پہلے کیا، جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مرد تو اپنی قوت اور خداداد تفوق کی بناء پر عورت سے اپنے حقوق وصول کر ہی لیتا ہے، فکر عورتون کے حقوق کی ہونی چاہئے، کہ وہ **عادةً** اپنے حقوق زبردستی وصول نہیں کر سکتیں۔

دوسرا اشارہ اس میں یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورت کے حقوق ادا کرنے میں مسابقت کرنا چاہئے، اور یہاں جو لفظ ''مثل'' کے ساتھ دونوں کے حقوق کی مثلیت اور مساوات کا ارشاد ہے اس کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ جس طرح کے کام مرد کرے اسی طرح کے عورت بھی، یا برعکس کیونکہ مرد و عورت میں تقسیم کار اور ہر ایک کے فرائض **فطرةً** جدا جدا ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں کے حقوق کی ادائیگی یکساں طور پر واجب ہے، اور اس میں کوتاہی اور تقصیر کی سزا بھی یکساں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے ایک مختصر سے جملے میں ایک عظیم الشان دفتر حقوق و فرائض کو کیسا سمویا ہے، کیونکہ مفہوم آیت میں عورتوں کے تمام حقوق مردوں پر اور مردوں کے تمام حقوق عورتوں پر داخل اور شامل ہیں (بحر محیط) اس جملے کے آخر میں ایک

لفظ بالمعروف اور بڑھا کر آپس میں پیش آنے والے جھگڑوں کا خاتمہ فرمادیا کہ حقوق کی ادائیگی معروف طریقے پر کی جائے کیونکہ معروف کے معنی یہ ہیں کہ جو شرعاً بھی منکر و ناجائز نہ ہو اور عام عادات اور عرف کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی تشدد اور زیادتی نہ ہو، اس کا حاصل یہ ہوا کہ زوجین کے حقوق اور ان کو اذیت سے بچانے کے معاملہ میں خالص ضابطہ پری کافی نہیں، بلکہ عام عرف و عادت کے اعتبار سے دیکھا جائے گا کہ اس معاملہ میں دوسرے کو کوئی ایذاء یا ضرر تو نہیں پہنچتا، جو چیزیں عرف و عادت کے اعتبار سے ایذاء اور اضرار کی قرار دی جائیں وہ ممنوع و ناجائز ہوں گی، مثلاً بے رخی، بے اتفاقی یا ایسے افعال اور حرکات جن سے دوسرے کو ایذاء پہنچے، یہ چیزیں قانونی دفعات میں تو نہیں آسکتیں، مگر بالمعروف کے لفظ نے ان کا احاطہ کرلیا، اس کے بعد فرمایا **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** اس کا مشہور مطلب و مفہوم تو یہی ہے کہ حقوقِ طرفین مساوی ہونے کے باوجود حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کا تفوق اور حاکمیت عطا فرمادی ہے، اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں جس کی طرف آخر آیت کے الفاظ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** میں ارشاد فرمادیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلہ میں بڑا درجہ دیا ہے، اس لئے ان کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہئے کہ اگر عورتوں کی طرف سے ان کے حقوق مین کوئی کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اس کو برداشت کریں، اور صبر سے کام لیں، اور ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ج ۳، معارف القرآن ص ۵۴۷ ج ۱)

عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا حکم

اگر غیر اللہ کے لئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لَوْ كُنْتُ آمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (ترمذی ص ۴۶۵ ج ۳)

اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا۔ حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آ جانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہو جاتا ہے اسے چاہیئے کہ اس کی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔ اور امام احمد نے مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

لاَ یَصْلُحُ لِبَشَرٍ اَن یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ وَ لَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ یَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لاَ مَرْتُ الْمَرْأَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا مِنْ عَظْمِ حَقِّہٖ عَلَیْھَا (ص۱۵۸ ج ۳)

کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے کیونکہ اس پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت عبد اللہؓ بن ابی اوفی کی روایت سے حضرت معاذؓ بن جبل کے ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

مشہور انصاری صحابی معاذؓ بن جبل ملک شام گئے ہوئے تھے جب وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا آپ نے تعجب سے پوچھا :

"ما ھذا یا معاذ؟" معاذ یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں شام گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی پیشواؤں پادریوں کو اور قومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

فَاِنِّی لَوْ کُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَن یَّسْجُدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ لَاَ مَرْتُ

الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (ص ۵۹۵ ج ا)
اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اور سنن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی قیس بن سعد سے روایت کیا گیا ہے۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ۔ میں حیرہ گیا تھا (یہ کوفہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں پھر جب میں حیرہ سے لوٹ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہی بات عرض کی آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔

اَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ (ص ۲۹۸ ج ا)

بتاؤ اگر میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر کے پاس سے گزرو گے تو کیا

میری قبر کو بھی سجدہ[1] کرو گے؟ قیس کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ نہیں (میں آپ کی قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا۔ تو آپ نے فرمایا ایسے ہی اب بھی نہ کرو (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کیلئے سجدہ کرنے کیلئے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں اس عظیم حق کی بنا پر جو اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی وہ اس طرح آپ کے حضور جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ طرز عمل دیکھ کر بعض صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ کے لئے سجدہ کرتے ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ آمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (ص ۷۶ ج ۶)

عبادت اور پرستش بس اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا)

---

(۱) اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں ایک دن وفات پاکر قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدے کے لائق نہ سمجھو گے، پھر مجھے سجدہ کیوں کر روا ہو سکتا ہے سجدہ تو اس ذات کے لئے روا ہے جو حی لا یموت ہے اور جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ ۲۱

بس اکرام و احترام کرو، اور اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کیلئے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے ---- الخ

ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیوی پر شوہر کے حق کے بارے میں یہ سجدے والی بات مختلف موقعوں پر اور بار بار فرمائی (معارف الحدیث ص ۷۰ ج ۶)

شوہر کے فرائض و اختیارات : اس جائز لطف اندوزی کے بر قرار رہنے اور رشتہ ازدواج کی استواری کے لئے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کئے ہیں اور ان کے اوپر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں الگ الگ دل و دماغ اور فکر و عمل رکھتے ہیں، بسا اوقات دونوں کی طرز معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے اس لئے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے پھر عورت و مرد کے دماغی توازن میں یکسانیت غیر ممکن ہے دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کئے ہیں اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض و اختیارات ہیں یہاں پہلے شوہر کے فرائض و اختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر و تحمل : زندگی میں یہ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بھکانے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے اور اس سے عفت و عصمت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے پھر اس وقت اور بھی جب کہ عورتیں نازک طبع تند خو اور تلون مزاج ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام میں ان حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار نہیں کی گئی ہے عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایتیں دی گئی ہیں تاکہ زن و شوہر کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے اور اگر عورتوں کے کسی قول و فعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے ارشاد ربانی ہے۔

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء : ۴)

اور ان عورتوں کے ساتھ حسن و خوبی سے گزر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے

اس آیت میں ایک جامع ہدایت ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہیے اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہیے

کیونکہ یہ کوئی عجوبہ بات نہیں ہے کہ انسان کو اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو جو اس کے لئے دین و دنیا دونوں میں موجب خیر و برکت ہو اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جس کی طرف اس ارشادِ نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (مسلم ص۴۷۵ ج۱)

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لئے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوار خاطر ہے اس لئے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہے اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ ہو گی۔

اور یہی واقعہ ہے برے پہلوں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں پس چاہیے کہ برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے آدمی کرتا رہے

سرور کائنات کی وصیت : سید الکونین علیہ السلام نے عورتوں کی طبعی و فطری کمزوری کی نشاندہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی۔

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ إِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (بخاری ص ۷۷۹ ج ۲ مشکوۃ ص ۲۸۰)

تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے لہذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لئے کجی رہ جائے گی اس لئے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔

اس حدیث میں بتایا گیا کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے اس سے جدا نہیں ہو سکتی ہاں ان کی ضروری حد تک اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ بھی رفق وملاطفت سے اس لئے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے کیونکہ دونوں کی طبیعت دو طرح پیدا کی گئی ہے اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی سعی کی تو اطمینان کے بجائے بلاہی سامنے آئے گی ہاں اس سے غافل بھی نہ ہونا چاہیے کہ عورت اپنی من مانی کاروائی پر اترے آئے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحاد عمل میں مضمر ہے عورت زندگی کی ساتھی ہے اس سے ایک منٹ کے لئے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے گھر میں کھانے پینے کا نظم، بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اور اس طرح ودسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو جس نے کہا سچ کہا کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے لئے دو پہیے ہیں

بغیر ان کی دوستی اور اتحادِ عمل کے یہ گاڑی نہیں چل سکتی اوپر والی حدیث کے سلسلہ میں صاحب فتح الباری نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی تھیں اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اس لئے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

رِفق و مُلاطَفت! حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بخاری نے اس باب کے بعد یہ باب باندھا ہے باب قوله قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر نہ چھوڑنا چاہیے بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہیے کہ مرد پر اس قدر اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نیز حدیث مذکورہ میں اس طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارات اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت اور الفت کے رسوخ کا باعث ہو پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفوودرگزر کی جائے اوران کی بدخلقی پر صبرو تحمل سے کام لیا جائے بات سمجھنے کی ہے عورت میں جب خلقتہً کجی ہے تو اس کا بالکلیہ استیصال کیسے ممکن ہے ہاں محبت اور نرمی سے اس کی اصلاح بقدر ضرورت ہو سکتی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں نرمی اور محبت سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو پہنچانو تمہاری ذرا سی لغزش سے اتنے فتنے اٹھ سکتے ہیں ان

بات سے تمہارے خاندانی وقار کو بھی ٹھیس لگے گی اور تمہارے پیارے شوہر کے لئے بھی یہ ضرر رساں ثابت ہو گی اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے، الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہر حال ضروری ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مرد کو تحمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔

اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ (بخاری ص ۷۷۹ ج ۵)

"عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہے اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے"

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِن ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى طَرِيْقَةٍ فَاِنْ اَسْتَمْتَعْتَ بِهَاوَبِهَا عِوَجٌ وَ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا (مسلم باب الوصیۃ بالنساء، مشکوۃ ص ۲۸۰)

عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے بالکل سیدھی ہرگز نہ ہو گی اس سے فائدہ کے حصول کی خواہش ہو تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہو اور اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔

عورت کی تلوّن مزاجی : تجربات کی دنیا میں ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے گی ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی، اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں، پھر ان کو کسی حالت پر بھی قرار نہیں خوش رہیں تو سراپا امتنان و تشکر اور اگر خفا ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ قول موجود ہے :

یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَیَکْفُرْنَ الْاِحسَانَ لَوَ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحدٰ ھُنَّ الدَّھْرَ ثُمَ رَأَتْ مِنْكَ شَیْئًا قَالَتْ مَارَأَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطُّ۔ (بخاری ص۱۹۹۵ج۵)

"عورتیں شوہر کی ناشکر گزار ہوتی ہیں اور ان کے احسان کی منکر تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو۔ پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کے خلاف طبیعت ہو گئی تو بول اٹھیں گی کہ میں نے کبھی بھی تم سے کوئی بہتری نہیں دیکھی"

مرد ایک ایک بات پر اگر داروگیر شروع کر دے تو نباہ مشکل ہو جائے گا مرد میں نسبتاً ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقعہ آ جائے تو صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے عورت اس معاملہ میں کمزور ہے

(اسلام کا نظامِ عفت و عصمت ص ۲۱۲)

ظلم و تعدّی کی ممانعت : پروردگار عالم کا ارشاد ہے :

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (بقرہ ۲۹۰)

"اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے جو شخص ایسا کریگا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب مت سمجھو"

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ ہی میں ظلم و تعدی کی روک تھام کے لیے اتری مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر رب العزت نے ترس کھایا ہے اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے نبی کریم ﷺ نے عورت کی تلون مزاجی کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا :

لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمُ امْرَأَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بخاری ص ۷۹۹، ج ۵)

"تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لئے اس کے پاس پہنچے"

زدوکوب کی ممانعت! عورت کی مارپیٹ سے رحمت عالم ﷺ نے ایک موقعہ پر اور روکا ہے ارشاد نبوی ہے :

لَا تَضْرِبْ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اَمَتَكَ (مشکوٰۃ ص ۲۸۲ ج ۲)

"اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ (ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۱)

"تم جب کھاؤ اس کو کھلاؤ اور تم جب پہنو اس کو پہناؤ نہ اس کے چہرہ پر مارو اور نہ برا بھلا کہو، اور نہ جدائی اختیار کرو، اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر میں ہی ہو"

یہ ساری تاکید نبی کریم ﷺ اس لئے فرما رہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو اجازت دی گئی ہے کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو تنبیہ کی جاسکتی ہے ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں۔ اور عورتوں کو ستانے یا اذیت دینے لگیں یا اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسن سلوک کر کے دکھایا عبرت کے اسباق سے وہ معمور ہے نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہنچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اس کا مطلب : حالانکہ

قرآن پاک میں "جسمانی اذیت" تک کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے یعنی ارشاد ہوا ہے:

وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَ هُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْ هُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَاتَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً

(النساء۔ ٦)

ایسی عورتیں جن کی بد دماغی کا تم کو احتمال ہو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت تلاش کرو"

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بہر حال قرآن میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھائے اور منا لینے کی کوشش کرے، دوسرے درجہ یعنی زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خوابگاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور علیحدگی کی یہ شکل بھی جب ناکام ہو جائے تب فاضربوھن کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا ہے

وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ (المحصر من المختصر ج ۱ ص ۱۹۲)

ان (عورتوں) کو مارو اس طرح کہ جلد نہ کھلے"

جس کا مطلب یہی ہوا کہ معمولی سرزنش (چاہیے گوشمالی کہہ لیجئے) سے آگے نہ بڑھنا چاہیے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے متعلق ارشادات نبویؐ:

حجۃ الوداع کا مشہور تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے ان ہی میں رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

أَلاَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَالِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ (ترمذی ص ۴۶۷ ج ۳)

"سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو کیونکہ وہ تمہارے یہاں قیدی ہیں، اس کے سوا تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اگر وہ کھلی ہوئی نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو اور معمولی

تنبیہ کرو۔ اطاعت کر لیں تو پھر زیادتی کی ضرورت نہیں سنو تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے تم پر، تمہارے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کو تمہارے بستر نہ بیٹھنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو نہ بلائیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں اور تم پر حق ہے کہ تم ان کے کپڑا دینے اور کھانا دینے میں احسان کرو"

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے رسول اللہ ﷺ کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ فاحشہ مبینہ ہی کی حد تک اجازت کو محدود رکھا جائے ماسوا اس کے خطبہ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ "زن و شوہر" کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

غور کیجئے! اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے متعلق جو ہدائتیں دی ہیں پہلی بات تو یہی ہے کہ خانگی زندگی کے نظام میں مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا کی گئی ہے، آخر دونوں کی حیثیت اگر برابر ہو گی تو اقتدار مساوات کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں رہ سکتے اس کے بعد وہی بات یعنی "فاحشہ مبینہ" کی صورت میں فہمائش ترک خواب گاہ کے بعد ضرب غیر مبرح (یعنی گوشمالی اور سرزنش کی اجازت دی گئی ہے اور پھر دونوں کے حقوق کا بیان ہے اس میں مرد کو

ہدایت ہے کہ پوشاک و خوراک میں حسنِ سلوک سے پیش آؤ، قوام بن جانے سے دھوکا نہ کھاؤ کہ جو جی میں آئے کر بیٹھو۔ بلکہ عورتوں کی فطری ضرورتوں اور دلچسپیوں کا خیال رکھو، کھانے پینے اور لباس میں ان کے شوق کو پورا کرو کیونکہ اس باب میں عورتیں تمہاری محتاج ہیں۔

اصول یہ ہے کہ جس شعبۂ زندگی میں آدمی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اس میں اگر اس کے ذوق کی آسودگی نہیں ہوتی تو اس کو دلی آزردگی ہوتی ہے اور اس کے نازک قلب کو ٹھیس لگتی ہے۔

جاہلیت میں عرب کا یہ جاہلی دستور تھا کہ غیر محرم عورتوں اور مردوں کے میل جول اور بات چیت میں کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہیں کرتے تھے جیسا کہ آجکل بھی یورپ کی جدید جاہلیت میں دیکھا جا رہا ہے۔

اس حدیث میں (ان لا یوطئن فرشکم) سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں اب پہلی جاہلیت کی رسموں کو ختم کر دیں "وطی فرش" کی مراد نفس زنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو من کل الوجوہ حرام ہے، پھر مکروہ سمجھنے کا کیا منشا ہو گا؟ اس سلسلہ کا دوسرا حق عورتوں پر یہ ڈالا گیا کہ گھر میں محرم یا غیر محرم جو بھی داخل ہو اس کے آنے کے متعلق شوہر کی رائے معلوم کر لی جائے کسی کو شوہر کی رضا معلوم کئے بغیر یونہی گھر میں نہ آنے دے۔

بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں یوم

عرفہ کے خطبہ میں فرمایا:۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَ اِنَّكُمْ اَخَذْ تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُم عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرَّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

(مسلم ص ۱۸۳ ج ۸)

لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا گھر میں آنا اور تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو ان کو تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر ان کے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔

اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے بااختیار اور صاحبِ امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا

ے مؤاخذہ اور محاسبہ سے بے پروا ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ ان کے اور انکی بیویوں کے درمیان خدا ہے اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیویاں بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے ۔اخذتموھن بامان اللہ۔ کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ عورتوں کے لیے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انہیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ ولکم علیھن الا یوطئن

فرشکم" کا یہی[1] مطلب ہے آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق حاصل ہے کہ ان کی اصلاح و تنبیہ کے لئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں، لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو غیر مبرح کا یہی مطلب ہے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہروں پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ بالمعروف کا یہی مطلب ہے۔

---

(۱) اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق والوں کے آنے جانے عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں اور اپنے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہر کو ناپسند ہو الغرض" لا یوطئن فرشکم" کا یہی مطلب ہے اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ۔ اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا بھی حق ہے، لیکن یہ سزا سخت نہ ہو (ضربا غیر مبرح) جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت :

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :۔

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَيئٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَ اِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (بخاری ص۔ ۱۹۸ ج د مسلم ص ۔ د ن ۱۰)

لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو ، نرمی اور مدارت کا برتاؤ رکھو ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے اورزیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے۔ اَنَّهُنَّ خُلِقْنَ۔

۔مِنْ ضِلَعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے بہر صورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے

جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آ جائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتہ ازدواج کا خاص مقصد ہے اس لئے مردوں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے اس پر کاربند ہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا "فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ کَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا

خر (مسلم ۸ د ج ۱۰)

کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہو گی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہو گی۔

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقاتی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر وقیمت سمجھے یہ مومن شوہر کی صفتِ ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (النساء ع ۳)

اور بیویوں کے ساتھ مناسب ومعقول طریقے سے گزران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط :

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُھُمْ بِاَھْلِہٖ (ترمذی ص ۹ ج ۵)

مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ (ترمذی ص ۴۶۶ ج ۳)

مسلمانوں مین زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور (واقعہ میں اور اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔

بیویوں کے ساتھ رسول اللہ کا معیاری اور مثالی برتاؤ:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (ترمذی ص ۷۰۹ ج ۵)

وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔

نیز مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھابرتاؤ کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گی۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ :۔

كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وكَانَ لِيْ صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيْ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ اِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيْ (بخاری ص ۷۰ ۲۲ ج ۵)

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (یعنی نکاح ورخصتی کے بعد آپ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں جو ساتھ کھیلنے کے لیے میرے پاس یہاں بھی آیا جایا کرتی تھیں تو جب آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ آپ ﷺ کے احترام میں کھیل چھوڑ کر) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ان کو میرے پاس بھجوادیتے (یعنی خود فرمادیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ واپس آکر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔

حضرت عائشہ صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں رسول

اللہ علیہ وسلم کے گھر آ گئی تھیں[1] اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور انہیں اس سے دلچسپی تھی۔ صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے "وَزُفَّتْ اِلَیْہِ وَ ھِیَ بِنْتُ تِسْعٍ وَلُعَبُھَا مَعَھَا" (یعنی جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور ان کے کھیلنے کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیر تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ علیہ وسلم انہیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں ان کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرما دیتے ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے (معارف الحدیث)

عورتوں سے حُسنِ سلوک کا برتاؤ نگاہِ نبویؐ میں :

رسول اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ مومن کی شان یہ ہے کہ حسن

(۱) رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی جن ازواج مطہرات سے نکاح کیا وہ عموماً سن رسیدہ بیوائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کے لیے کیا گیا تھا ان کی وضاحت کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے اتنا اشارہ یہاں بھی مناسب ہو گا کہ امت کو ایک ایسی معلمہ کی ضرورت تھی جس کی مکمل تربیت خود رسول اللہ علیہ وسلم نے کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں اور وہ رسول اللہ علیہ وسلم کی پوری محرم راز رہی ہو۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے عائشہ کا انتخاب فرمایا تھا اور اسی لئے گویا بچپن ہی سے ان کو اپنی رفاقت اور تربیت میں لے لیا تھا۔

اخلاق کا پیکر اور مروت و حسن کردار کا مجسمہ ہو، اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے بال بچوں اور بیوی کے لیے اخلاق و مروت میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ثابت ہو،،(ترمذی ص ۴۶۶ ج ۳)

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مومن کی شناخت یہ ہے کہ حسنِ سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو یہ طرز بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے حق میں سراپا محبت و شفقت ہونا چاہیے اور بیوی کی ہر جائز دلدہی کرنی چاہیے الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ کو اچھاثابت کرنے میں کامیاب ہو بتایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے، ورنہ کچھ دیر کے لیے مصنوعی طور پر تو بد سے بدتر آدمی بھی جما دیتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتاد طبع کو تباہ کر دیتی ہے اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ کی پیاری بندیوں کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو"

عربوں میں جہاں عورتوں کو جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی مردوں کے جو بھی جی میں آتا تھا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے مارنا پیٹنا، یہ تو معمولی بات تھی، لیکن حکم کے نفاذ کے ساتھ ہی سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے عورتوں کی جان میں جان آئی۔

عورتوں کی مظلومیت سے خلاصی کا رد عمل جیسا کہ ہونا چاہیے تھا وہ بھی سامنے آیا جس کا پتہ اس روایت سے چلتا ہے یعنی ایک دن فاروق اعظمؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہو گئیں" یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مذکورہ بالا فرمان کی سختی نرمی سے بدل گئی مگر مردوں نے اس نرمی سے معلوم ہوتا ہے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا جس کی شکایتیں دربار نبوت تک پہنچنے لگیں انہی شکایتوں کو سن کر آنحضرت ﷺ نے ایک دن یہ اعلان فرمایا کہ

لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ (ابوداؤد ص ۲۹۹ ج ۲)

"بہت سی عورتوں نے محمد ﷺ کے گھر والوں کو گھیر لیا جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں" ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں

نہ اچھے ہونے کی خبر اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق کون برداشت کر سکتا تھا جیسا کہ چاہیے تھا معاملہ حدِ اعتدال پر آگیا اور یہی مقصود بھی تھا

حضورؐ، اپنی ازواج مطہراتؓ میں : زندگی کے آخری حصہ میں یعنی وفات سے آٹھ نو سال پہلے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ "زن و شو" کے باہمی تعلقات کا عملی درس یہ بھی اس کی ایک بڑی غرض تھی آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَاِذَامَاتَ

صَاحِبُکُمْ فَدَعُوْہُ (ترمذی ص ۷۰۹ ج د)

ترجمہ: تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی بچوں کے لئے بہتر ہے اور خود میں اپنے بال بچوں کے لئے بہتر آدمی ہوں اور جب تمہارے ساتھی کا وصال ہو تو اسے چھوڑ دو یعنی اس کی خامیاں وغیرہ بیان نہ کرو۔

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے نیکی اور بھلائی تو وہی ہے۔ جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو بہر حال عمل کر کے یہی دکھایا جاتا تھا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا

سرورکائنات کی محبت بیویوں سے: سرورکائنات ﷺ کی عملی زندگی وہی تھی، جو فرمایا کرتے تھے حضرت خدیجہؓ جو حضور کی پہلی بیوی ہیں ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کو ان کی وفات کے بعد برابر یاد کرتے اور اسی حد تک نہیں حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ان کی جو سہیلیاں زندہ تھیں آپ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

"حضرت خدیجہؓ کو چھوڑ کر آپ کی اور کسی بیوی پر مجھے رشک نہیں تھا، گو میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا، مگر آپ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے (کہ وہ میرے لیے اجنبی نہ تھیں انس محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی تو آپ ﷺ کو خدیجہ یاد آ جاتیں اور گوشت کا

ایک حصہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرما دیتے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۳ ج ۲)
حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اکثر آپ سے میں کہا کرتی تھی کہ کیا حضرت خدیجہؓ کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے؟ یہ کثرت یاد کو دیکھ کر کہتی، جب کبھی میں یہ باتیں کہتی تو آپ فرماتے بات یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے اولاد دی تھی اور وہ نیک اور باوفا خاتون تھیں۔

صحابہ کرام کی بیویوں سے محبّت : اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے، اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی حضرت عبد اللہ بن عمر ایک جلیل القدر صحابی ہیں ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کی بیوی بیمار ہیں یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔

انہی حضرت عبد اللہؓ بن عمر کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے محترم ابا جان نے حکم دیا کہ بیوی کو علیحدہ کر دو (یعنی طلاق دے دو) یہ سن کر حیص بیص میں پڑ گئے ایک طرف بیوی کی محبت دوسری طرف والد محترم کا حکم نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پائے بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے تقریباً انکار کر دیا حضرت عمرؓ فاروق جو آپ کے والد محترم تھے انہوں نے یہ مقدمہ دربارِ نبویؐ میں پیش کر دیا، آنحضرت ﷺ نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جا کر حضرت عبد اللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی (اسوۂ صحابہ ص ۳۵۳ ج ۱)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی اور اس محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گزرتا تھا اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے اس کی اطلاع جب ان کے پدر بزرگوار صدیق اکبرؓ کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ پہلے تو صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر مجبور ہو گئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا علیحدہ کرنے کو تو کر دیا مگر دل سے محبت نہ گئی جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے حضرت صدیق اکبرؓ کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا رجعت کر لو" (اسوۂ صحابہ ص ۱۵۲ ج ۱)۔

حضرت بریرۃؓ اور مغیث کی محبت کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور دلچسپ بھی حضرت بریرۃؓ پہلے لونڈی تھیں اور ان کی شادی حضرت مغیث سے ہوئی تھی یہ جب آزاد کر دی گئی تو شرعی طور پر ان کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہوگیا۔ حضرت بریرۃؓ نے آزادی کے بعد طے کرلیا کہ مغیث کے ساتھ نہ رہیں گی، حضرت مغیث کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے (مشکوۃ ترمذی ص ۱۳۸ ج ۱)۔

اسلام کے قوانین عفت وعصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمان عزت وعظمت کی آفتاب وماہتاب بن کر چمکیں اور کیسے یہ عزت ورفعت حاصل نہ کرتیں جب کہ پیغمبر اسلام

نے ان کو ان کے حقوق دلوائے۔

بیوی کے حقوق کی اہمیت: عبادت وریاضت کتنی قابل ستائش چیز ہے مگر اسلام نے یہاں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے ان کو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے شروع شروع میں ایک سے زائد صحابہ کے اس طرز عمل پر کہ راتوں کو عبادت گزاری میں بسر کرتے تھے اور "زن و شو" کے باہمی تعلقات کی ان کی نگاہوں میں وقعت نہ تھی رسول اللہ ﷺ نے بلا کر ان کو سمجھایا کہ:۔

اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (بخاری ص ۱۹۹۵ ج ۵)

تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو الدرداءؓ کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لئے نظافت کا اہتمام:۔ اپنی بیوی کے لئے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنیکی عملی صورتیں جہاں یہ ہیں کہ بیوی کی خاطر مدارات، دلجوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا جائے اسی کے ساتھ ان باتوں کا بھی مردوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے جن کی طرف ارشادات نبوی میں اشارے کئے گئے ہیں۔

مثلاً شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آئے تاکہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو، اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں وضع قطع میں صاف ستھرا،

پاکیزہ مذاق ہے گندہ گھناؤنا بد سلیقہ اور پھوہڑ نہیں ہے آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی صاف ستھری رہے میلی کچیلی نہ رہے تو اس طرح عورتوں کی بھی طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی صفائی پاکیزگی خوش وضعی کی اپنی مثال آپ تھی کون نہیں جانتا کہ سفر حضر ہر حال میں آئینہ کنگھی سرمہ دانی اور اسی قسم کی چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستگی میں مدد ملتی ہے رسول اللہ ﷺ التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ (اسلام کا نظام عفت وعصمت ص ۲۲۳)۔

سید الکونین ﷺ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں بھی بری ہیئت میں رہے حضرت عطاء بن یسارؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے پریشان تھے آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ بالوں کو درست کر لے چنانچہ اس نے اشارۂ نبوی پاکر سر اور داڑھی کے بال درست کر لئے اور اس شخص کے پلٹتے وقت جب آپ نے اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا کیا یہ ہیئت پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے؟ جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی یہ حدیث بھی مشہور ہے:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ☆

(مشکوۃ ص ۳۸٤ ج ۲)

اللہ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے اللہ پاکیزہ ہے پاکیزگی کو محبوب رکھتا ہے۔

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے تو اس کو واپسی کے وقت چاہیے کہ کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے دفعتہً پہنچنے کی کوشش نہ کرے وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کے صورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں رکھتی جو اس کو شوہر کے لئے رکھنا چاہیے اس لئے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائے گی تو وہ اپنے آپ کو سنوار لے گی

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

لِكَیْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ لْمُغِیْبَةُ (بخاری ص ۲۰۰۸ ج ۵)

تاکہ عورت پراگندگی درست کر لے اور استرہ استعمال کر کے صاف ستھری بن جائے۔

بیوی کے جذبات کا پاس : شوہر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ بیوی کی ہر طرح دلجوئی کرے اس کے تمام داعیات و جذبات کا پاس کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے ایک عورت یہ اشعار اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی۔

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ تُخْشٰى عَوَاقِبُهُ ☆

لَزَحْزَحَ مِنْ هٰذَا السَّرِیْرِ جَوَانِبُهُ ☆

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کے عقاب کا خوف نہ ہوتا۔ تو بلاشبہ اس چار

پائی کے کنارے جنبش میں ہوتے۔

حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے حضرت عمرؓ پر اس سچے جذبۂ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے (جو حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں) پوچھا، عورت بغیر مرد کے کتنے دنوں صبر کر سکتی ہے حضرت حفصہؓ نے فرمایا چار مہینے یہ معلوم کر کے حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا۔

لَا يَتَخَلَّفُ الْمُتَزَوِّجُ عَنْ اَهْلِهٖ اَكْثَرَ مِنْهَا (ردالمختار ص ۴۳۳ ج ۲)

جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے"

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے اور اگر زیادہ مدت کے لیے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایلا کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت، چار ماہ یا زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہو گی۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

عَلِيْمٌ☆ (بقرة:۲۸)

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے سو اگر یہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

بیوی کی راز داری :۔ بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات کو دوسروں سے نہ کہے بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجے میں رہنے دے نبی کریم ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردوں کی باتوں کو افشا نہ کرے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّ مِنْ اَشَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً الرَّجُلُ يُفْضِي اِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا (مسلم ص ۸ ج ۱۰)

لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اسکی بیوی اس سے ملے پھر مرد اس راز کی بات کو پھیلائے معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی پرائیویٹ باتیں طشت ازبام نہ ہونی چاہیں امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت و مرد کے باہمی استمتاع کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی اور پھر زن و شو کے راز کی کہانی بیان کرے حد یہ ہے کہ بلا فائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہیت سے خالی نہیں

امام موصوف لکھتے ہیں۔

فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَحْرِیْمُ اِفْشَاءِ الرَّجُلِ مَایَجْرِیْ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ امْرَأَتِہٖ مِنْ اُمُوْرِ الاِسْتِمْتَاعِ وَ وَصْفِ تَفَاصِیْلِ ذَالِكَ وَ مَا یَجْرِیْ مِنَ الْمَرْأَۃِ فِیْہِ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ نَحْوِہٖ

(شرح مسلم ص ۸ ج ۱۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کا ظاہر کرنا جیسے لطف اندوزی اور اس کی تفصیل کہ باہم ایسے ایسے ہوا، حرام ہے، اسی طرح عورت سے متعلق کوئی راز کی بات یا کوئی فعل یا اور کسی ایسی ہی چیز کا اظہار حرام ہے"

بیوی کے فرائض و اختیارات

مردوں کے حقوق کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کر دینا مناسب ہے تاکہ دونوں کے فرائض واختیار کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکے کہ اسلام نے دونوں کے باہمی رشتہ محبت کو کس قدر پائیدار اور جاندار قرار دیا ہے۔

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری:- میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں اور ظاہر ہے کہ اپنی فطری

برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا چنانچہ شریعت محمدی میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ

(مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں)۔ اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ :۔ وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ

نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی حفاظت کرتی ہیں)

اگر عورت شوہر کی اطاعت فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہو گی جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہو گی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ

فَرْجَهَا وَ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ (حلیۃ الأولیاء ص ۳۰۸ ج ٦)

عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔

اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کیلئے شوہر کی اطاعت کو نماز روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان و فرائض کی۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اَیُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ

(ترمذی ص ۴٦٦ ج ۳)

جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔

ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ : اس دور پر فتن میں آئے دن یہ بات سننے میں آتی ہے۔ کہ مالدار گھرانوں میں میاں بیوی میں ذرا سی بات

پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں علیحدہ ہو کر زندگی گذارتے ہیں برسوں دونوں میں جدائی رہتی ہے بیوی اپنی ضد پر رہتی ہے اور شوہر اپنی شان میں اسلام نے اس طرح کی زندگی کو لعنت قرار دیا ہے اور کہیں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے۔

عورت صالحہ اور اس کا فریضہ : میاں بیوی کے سامنے اگر اسلام کے قوانین ہوتے تو ایسی نوبت ہرگز نہ آتی اور ایسے مواقع پر مرد کی قوامیت کا فیصلہ فتنہ کے اس سوراخ کو بند کر دیتا۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ** کے بعد ہی ارشاد خداوندی ہے :

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء ۶)

پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے نگہبانی کرتی ہیں۔

اس ٹکڑے میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے تاکہ دونوں میں اختلاف رائے کبھی ہو تو علیحدگی کی نوبت نہ آئے پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

اَیُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقاً فِی غَیْرِ مَا بَاسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ (مشکوۃ ص ۲۸۳ ج ۲)

جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے۔ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ زن و شو کی باہمی زندگی میں ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوھر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورت صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے یہ یقین پیدا کر کے شوہر باہمی زندگی یا نظام منزلی کا صدر اور امیر ہے اس کی اطاعت کو اپنا فریضہ سمجھے۔

شوہر کی تعظیم و تکریم : مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اس کی تعظیم و تکریم از بس ضروری ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد

کسی کو کسی آدمی کے لئے سجدہ کا میں اگر حکم دیتا تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (مشکوۃ ص ۲۸۸ ج ۲)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم اور اس کی دلجوئی ضروری ہے عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے کو بیوی کی محبت میں سرشار کر لیا اپنی کمائی اور جائداد بیوی

کے آرام و عافیت کے لئے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اپنے انس و محبت کا مرکز بنا لیا اس کی دلجوئی اور عزت و مکرمت عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم و تکریم تک ہی تعلق کافی نہیں ہے بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے شوہر کی رضا کی ضرورت بیوی کو دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ارشاد نبوی ہے۔

"جو عورت مر جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی" (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ ج ۲)

اطاعت اور فرماں برداری : شوہر کی محبت اور اس کی رضا عورت اپنے ایثار اور فرماں برداری ہی سے خرید سکتی ہے یعنی عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہے گی، شوہر اس پر اپنی جان چھڑکتا رہے گا اور بیوی کے لیے وہ سارے جتن کرے گا جو ایک شریف مرد کر سکتا ہے، چنانچہ عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے

نماز، روزہ اور عفت و عصمت کے تحفظ کے ساتھ شوہر کی فرمانبرداری بھی ضروری قرار دی گئی ہے اور بموجب حدیث عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ضروی ہے شوہر کے حقوق کا لحاظ وپاس بھی اس کا فریضہ ہے شوہر عورت کے حقوق سے چشم پوشی کر کے کامیاب نہیں ہو

سکتی۔ سید الکونین ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے۔ آپ نے جواب فرمایا:

شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب کسی جائز کام کا حکم دے تو بجا لائے اور شوہر کی اپنی جان و مال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ ج ۲)

شوہر کے حقوق کی بجا آوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہو سکتا ہے گویا جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ یقین کرے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے نزدیک بہتر نہیں ہے سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم المرسلین پیغمبر کی نگاہ میں بہتر نہیں نکمی اور محروم القسمت ہے۔

شوہر کی ناجائز بات میں اطاعت نہیں! مگر یہ

ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیے یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کرے گی جو رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں۔ حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے ہیں اب میرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لیکر اس کے بالوں میں شامل کر دیئے جائیں کہ بدصورتی جاتی رہے حضور ﷺ کا اس سلسلہ میں کیا ارشاد ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے" (مشکوٰۃ)

شوھر کی خوشنودی : ان امور میں بلاشبہ شوہر کا حکم بجالائے گی جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے فرماں بردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے حدیث ذیل کو پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ فرماں بردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے۔

"تقوے کے بعد مؤمنوں کے لیے بہترین چیز جو اس کے لئے قابل استفادہ ہے وہ نیک عورت ہے کہ اگر اس کو شوہر حکم کرے، بجالائے اس کو دیکھے تو خوش کر دے اس کو قسم دے تو پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ ہو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرماں بردار بیوی ہے جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی اس پر جان دینے والی، اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی اس کے ایک ایک حکم پر اپنے آپ کو نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پر، دوسرے سے تیسرے پر منتقل ہو جاؤ تو بیوی وہی ہے جو اس حکم کو بجالائے (ابن ماجہ ص ۵۹۵ ج ۱)۔

اسلام نے زن و شو کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے۔ اور

اس سلسلہ میں دونوں کے نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اس کے لائق حقوق عطا کئے ہیں کہ عورت بدل و جان بجا لائے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت پر اپنے شوہر کی جائز فرماں برداری ضروری ہے بلکہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کوئی بیوی اس وقت تک ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے (مفتاح الخطابۃ ص ١٨٥ عن الحاکم)

پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگران ہے جس میں بیوی بھی داخل ہے پھر نگران کے جائز حکم سے سر تابی کیونکہ جائز ہو سکتی ہے۔

یہ احکام عورت بخوشی بجا لائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیق حیات اور شریک زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لئے ایثار و قربانی سے کام لے عورت جو کچھ کرے رفیقۂ حیات کی حیثیت سے اسے کرنا چاہیے اپنے کو غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہیے۔

جنسی میلان میں حکم کی بجا آوری : جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے :

اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ خَلَتْ لَهٗ وَ اِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُوْرِ (ترمذی ص ٢٦٥ ج ٣)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے لیے حاضر ہو جائے گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی) ہو"

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں بھی حکم نہ بجا لائے گی تو گنہگار ہو گی سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَأَبَتْ اَنْ تَجِیْءَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِکَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ (بخاری ص ۹۹۳ ج ۵)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں"

ایک دفعہ آپ نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو رب العزت اور فرشتے اس وقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔

جنسی میلان میں عورت کی صحت کا لحاظ :

انہی بنیادوں پر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی عورت کا شوہر کے مطالبہ ہم بستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے (شرح مسلم ص ۴۶۴ ج ۱)۔

یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا از بس ضروری ہے۔ صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے علماء کرام نے لکھا ہے کہ

عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز ہی چاہیے بہر حال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ بَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بخاری ص ۱۹۹۳ ج ۵)

"شوہر موجود ہو تو بغیر اس کی اجازت کے عورت نفلی روزے نہ رکھے"

ان سارے قوانین کا منشاء یہ ہے کہ عفت و عصمت کا تحفظ ہو اور اخلاق واعمال پاکیزہ رہیں ساتھ ہی زن و شو کے تعلقات مستحکم اور باہمی انس و محبت قائم و دائم رہے۔

شوہر کی خوشنودی خیر القرون میں : یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں شوہر کی ذرا سی ناراضگی ان کے لیے سوہان روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا : عائشہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کی غرض سے پہنے گئے ہیں۔ (اسوۂ صحابہ)

حضرت خولاء ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لیے دلھن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے سنکر فرمایا ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔

ازواج مطہرات کی آنحضرت ﷺ سے محبت: اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے پر جان دیتے تھے خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمایئے کہ ان کو سرکار دو عالم ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں مگر جب ان کی آنحضرت ﷺ سے شادی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کل دولت سرور کائنات ﷺ پر نثار کر دی آپ کو کوئی درد غم پیش آیا تو حضرت خدیجہؓ تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی محبت بھی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ مشہور ہے آپ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں حضرت عائشہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں آپ کو خوشبو لگایا کرتی تھیں آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں۔ اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لیے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہؓ قلادہ کے

لیے رسی بٹتی تھیں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے صحابہ کرام کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کمبل پر دھبہ ہے آپ نے اسے اتار اکر اندر بھیج دیا حضرت عائشہؓ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا۔ پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت : صحابیاتؓ بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں، اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں حضرت زینب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں ان کی شادی ابو العاص سے ہوئی تھی ابو العاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آگیا اس حق وباطل کی جنگ میں ابو العاص کافروں کی طرف سے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابو العاص بھی تھے آنحضرت ﷺ کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابو العاص کی بیوی حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے ان کی رہائی کے لیے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا یہ ہار حضرت زینبؓ کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجہ الکبری کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔

حضرت حمنہؓ بنت جحش کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا حضرت حمنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہوگئے ہیں تو ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت سے

چیخ اٹھیں۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے: جو کچھ گزر چکا اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑیگا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سارے غم بھول جاتا ہے اور اگر مرد تکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کے تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے منہ بسورتی ہیں وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا۔

اَلَّتِي تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ: (مشکوٰۃ)

"شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کر دے"۔

شوہر اور گھر کی خدمت: ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی خود سرور کائنات ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کا بھی یہی دستور تھا۔ گھر کا

کام کاج اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتیں امام بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے۔ عمل المرأة في بيت زوجها۔ عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام و کاج کرنا اور اس ضمن میں حضرت فاطمہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے (اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۶۳)۔

۴- اہل قرابت کے حقوق

۴- اہل قرابت کے حقوق

اہل قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی اہمیت

اسلامی تعلیم والدین کے علاوہ دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر تجلی بہت زور دیا گیا ہے اور "صلہ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اوان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "ذی القربی" فرما کر دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔

آیات قرآنی

قرآن پاک میں کم از کم بارہ آیتوں میں اس کی صریح تاکید اور اس کو ان کا احسان نہیں بلکہ اس کا فرض اور حق بتایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

(۱) فَاٰتِ ذَا القربیٰ حقه (سورۃ روم۔ ۳۸)

سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق

اس نے پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کیا گیا تھا کہ رزق کا معاملہ صرف اللہ کے ہاتھوں میں ہے وہ جس کے لیئے چاہتا ہے رزق کو پھیلا دیتا ہے اور زیادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق سمیٹ کر تنگ کر دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے

مصارف میں خرچ کرتا ہے تو اسے اس میں کمی نہیں آتی اور اگر کوئی خرچ کرنے میں بخل کرے اور کچھ اپنے پاس ہے اس کو جمع کر کے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اس سے مال وسعت نہیں ہوتی۔

اس مضمون کی مناسبت سے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس سے تمہارا مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی اور اس کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند معارف کے عطا کئے اوّل ذوی القربٰی دوسرے مساکین تیسرے مسافر کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل وانصاف ہے کوئی احسان انعام نہیں ہے۔

اور ذویٓ القربٰی سے مراد ظاہر یہ ہے کہ عام رشتہ دار ہیں خواہ رحم محرم ہوں یا دوسرے کما ہو قول الجمہود من المفسرین) اور حق سے مراد بھی عام ہے خواہ حقوق واجبہ ہوں جیسے ماں باپ اولاد اور دوسرے ذوی الانعام کے حقوق یا محض تبرّع واحسان ہو جو رشتہ داروں کے ساتھ یہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے یہانتک کہ امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ جس

شخص کے ذوی الارحام رشتہ دار محتاج ہوں وہ ذوی القربیٰ کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کو خبر گیری جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ جیسا کہ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کا حق اس شخص جس کو یہ وسعت حاصل ہو یہ ہے کہ مال سے ان کی امداد کرے اور جس کو یہ وسعت حاصل نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے (قرطبیؒ) ذوی القربیٰ کے بعد مسکین اور مسافر کا حق بتلایا گیا ہے یہ بھی اس طرح عام ہے۔ وسعت ہو تو مالی امداد نہ ہو تو اچھا سلوک۔

۲- وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (سوۃ بنی اسرائیل ۔ ۲۶)

رشتہ داروں کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ ہر رشتہ دار کا حق ادا کیا جائے جو کم از کم ان کے ساتھ حسن سلوک معاشرت اور عمدہ سلوک ہے اور وہ اگر حاجت مند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتہ دار عزیزوں کا طبعی حق ہے وہ کیا ہے اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں ۔ مگر صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا واضح ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسی فرمان کے تحت جو رشتہ داری رحم محرم ہو اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے

گزارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم محرم اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گزارہ ہو سکے تو ان کے جن رشتہ دار میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گزارہ نفقہ دیا جائے گا سورۂ بقرہ کی آیت ۔ و علی الوارث مثل ذلك کے بھی یہ ثابت ہے۔

اس آیت میں اہل قرابت اور مسکین و مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں۔

دوسری جگہ یہ تصریح فرمائی ہے کہ مال ودولت کی محبت اور زیادتی ضروریات اور خواہش کے باوجود صرف خدا کی مرضی کے لئے خود تکلیف اٹھا کر اپنے قرابت مندوں کی امداد اور حاجت روائی اصلی نیکی ہے۔

(۳) وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى (بقرہ ۱۷۷)

اور اصل نیکی اس کی ہے جس نے اپنے مال کو اس کی محبت پر قرابت مندوں میں فرمایا۔

والدین کے بعد اہل قرابت ہی ہماری مالی امداد کے مستحق ہیں فرمایا۔

(٤) قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (بقرہ ۲۱۵)

فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے۔

ماں باپ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے ان خاص احکام میں ہے جن کا انسان سے عہد لیا گیا۔

(۵) وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَّ ذِی الْقُرْبٰی (بقرہ ۸۳)

اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ خدا ہی کو پوچنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنا سورۂ نحل میں اہل قرابت کی امداد کو عدل اور احسان کے بعد اپنا تیسرا خاص حکم بتا دیا۔

(٦) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی (نحل ۹۰)

بے شک اللہ انصاف اور حسنؒ سلوک اور قرابت دار کو دینے کا حکم کرتا ہے لفظ ایتاء کے معنی اعطاء کے ہیں یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں اور لفظ قربٰی کا معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں ذی القربٰی کے معنی رشتہ دار ہیں ذی رحم ایتاء ذی القربٰی کے معنی رشتہ دار کو دینا یہاں اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ کیا چیز دینا لیکن ایک دوسری آیت میں اس کا مفعول مذکور ہے "فات ذا القربیٰ حقہ' " یعنی رشتہ دار کو اس کا حق دو ظاہر یہی ہے کہ یہاں بھی یہی مفعول مراد ہے کہ رشتہ دار اس کا حق دیا جائے اس حق میں رشتہ دار کو مال خبر گیری بھی زبانی تسلی و ہمدردی کا اظہار بھی اور اگر صحیح لفظ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا۔ مگر اس کو اس کی زیادہ اہمیت بتلانے کے لئے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔

ایک مسلمان کی دولت کے بہترین مستحق والدین کے بعد اس کے قرابت دار ہیں فرمایا۔

(۷) قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسَاكِيْنَ (بقرۃ ۲۱۵)

کہہ دے اے پیغمبر کہ فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو تو وہ اپنے ماں باپ قرابت والوں یتیموں اور غریبوں کے لئے۔

اگر قرابت مند میں کوئی قصور ہو جائے تو اہل دولت کو زیب نہیں کہ وہ اس کی سزا میں اپنی امداد کا ہاتھ اس سے روک لیں ارشاد ہوا۔

(۸) وَلَا يَأْتَلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّوْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ (نور ۲۲)

اور جو لوگ تم میں بڑائی اور کشائش والے ہوں قرابت مندوں اور محتاجوں کے نہ دینے کی قسم کھا بیٹھیں۔

حضرت صدیقہؓ پر تہمت کے واقعہ میں مسلمانوں سے مسطحؓ اور حسانؓ مبتلا ہو گئے تھے جن پر رسول اللہ ﷺ نے نزول آیات برائت کے بعد حدّ قذف جاری فرمائی مسطحؓ اور احسانؓ دونوں ہی جلیل القدر صحابی غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے ہیں مگر ایک لغزش ہو گئی جس توبہ صادقہ نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت صدیقہؓ کی براءت نازل فرما دی اسی طرح ان مؤمنین کی توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا بھی اعلان فرما دیا۔

مسطحؓ حضرت صدیق اکبر کے عزیز بھی تھے اور مفلس بھی حضرت صدیق اکبرؓ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے جب واقعہ اِفکر میں ان کی گونہ شرکت ثابت ہوئی تو صدیقہؓ کے والد کی شفقت پدری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مسطحؓ سے رنج پیدا ہو گیا اور قسم کھا بیٹھے کہ

آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی التعین واجب نہیں اور جس کی مالی مدد کی جماعت کو جن لوگوں سے لغزش ہوئی ان کو بھی توبہ اور آئندہ اصلاح حال کو نصیحت سے نوازا دوسری طرف جن بزرگوں نے طبعی رنج و ملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھائی ان کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم اس آیت میں دی گئی کہ ان کو یہ قسم توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرہ دینا چاہیے ان کی مالی امداد سے دستکش ہو جانا ان کے مقام بلند کے مناسب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ان کو بھی عفود درگزر سے کام لینا چاہیے۔

چونکہ حضرت مسطحؓ کی مالی امداد کرنا شرعی واجب حضرت صدیقؓ کے ذمے نہیں تھا اسی لئے قرآنِ کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہل علم و فضل جن کو اللہ تعالیٰ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو وسعت گنجائش بھی ہے ان کو ایسی کھانی چاہیے آیت میں دو لفظ اولو الفضل اور والسعۃ اسی کے لئے آئے ہیں۔

اس آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہو کہ اَلاَ تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللہ لکم یعنی کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے تو صدیق اکبر ہوں کر اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے اور فوراً حضرت مسطحؓ کی مالی امداد جاری فرما دی اور یہ بھی فرمایا اب کبھی یہ امداد بند نہ ہو گی۔(بخاری و مسلم)

خدا کی خالص عبادت اور توحید اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کے بعد

تیسری چیز اہل قرابت کے ساتھ نیکی ہے فرمایا۔

(۹) وَ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ بِذِی الْقُرْبٰی (النساء)

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والے کے ساتھ نیکی کرنا۔

حق قرابت کو اسلام میں وہ اہمیت حاصل ہے کہ داعلی اللہ علیہ السلام اپنی تمام محنتوں رحمتوں تکلیفوں اور مصیبتوں کا جو تبلیغ اور دعوت حق میں ان کو پیش آئیں اور اپنے اس احسان و کرم کا جو ہدایت تعلیم اور اصلاح کے ذریعہ ہم پر فرمایا بدل معاوضہ اور مزدوری اپنی امت سے یہ طلب فرماتے ہیں کہ رشتہ داروں اور قرابت مندوں کا حق ادا کرو اور ان سے لطف و محبت سے پیش آؤ فرمایا۔

(۱۰) قُلْ لاَ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ ۲۳)

کہہ دے اے پیغمبر کہ میں تم سے اس پر بجز اس کے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ کہ ناتے میں محبت اور پیار کرو۔

عربی زبان میں قرابت کا حق ادا کرنے کو وصل رحم (رحم ملانا) کہتے ہیں اس لفظ کی دوسری معروف شکل قطع رحم رحم کاٹنا) کہتے ہیں کہ رحم پدری ہی تعلقات قرابت کی جڑ ہے کسی امر میں دو انسانوں کا اشتراک ان کا باہمی تعلقات اور حقوق محبت داعانت کی اصلی گرہ ہے یہ اشتراک ان کس باہمی تعلقات اور حقوق محبت داعانت کی اصلی گرہ ہے یہ اشتراک کہیں ہم عمری

کہیں ہم درسی کہیں ہم سائیگی کہیں ہم مذاقی کہیں ہم پیشگی کہیں ہم وطنی کہیں ہم قومی کی مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتا ہے اس اشتراک کے عقد محبت کو استوار اور مصنوت رکھنے کے لئے جانبین پر حقوق کی نگہداشت اور فرائض محبت کی ادائیگی واجب ہے لیکن ان تمام بندھن کے ٹوٹ جانے والے اشتراکوں سے بڑھ کر وہ اشتراک ہے جس کا موطن رحم مادر ہے یہ ہم رحمی خالق فطرت کی باندھی ہوئی گرہ ہے اور جس کا توڑنا انسان کو قوت سے باہر ہے اس لئے ان لوگوں کو جو محبت کی اس فطری گرہ کو توڑنے کی کوشش کریں وحی محمدی نے فاسق کا خطاب دیا ہے اور ان ضلالت کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

(۱۱) وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (بقرہ ۲۷)

اس سے وہ انہی کو گمراہ کرتا ہے جو حکم نہیں مانتے جو خدا کا عہد باندھ کر توڑتے ہیں اور خدا نے جس کے جوڑنے کو کہا اس کو کاٹتے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کی اسی فطری گرہ کی تشریح استعارہ کے الفاظ میں فرمائی ہے کہ رحم (شکم مادر کا نام) رحمان سے مشتق ہے اس لئے محبت والے خدا نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا۔ اَنْ اَصِلَ من وصلك و اقطع من قطعك (بخاری ص ۲۳۲۲ ج ۵) جس نے تجھ کو ملایا اس کو میں نے ملایا جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا۔ اسی مفہوم کو استعارہ کے اور گہرے رنگ میں رسول اللہ ﷺ نے یوں ادا فرمایا کہ۔

اَلرَّحِمُ معلقةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَ صَلَنِی وَصَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ (مسلم ص ۱۱۴۳ ج ۱۶)

رحم انسانی عرش الٰہی کو پکڑ کر کہتا ہے جو مجھ ملائے اس کو خدا ملائے اور جو مجھے کاٹے اس کو خدا کاٹے۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حسن تعمیر کا اس سے بھی زیادہ نازک طریقہ اختیار فرمایا ارشاد ہوا۔

خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ قَامَتِ الرَّحِمُ فاخِذت بحقِوی اِلرحمن فقال مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ اَلَا تَرْضِيْنَ اَنْ أَصِلَ مَنْ وَ صَلَكِ وَ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَذَاكَ (مسلم ص ۱۱۲ ج ۱۶)

جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو رحم انسانی نے اس رحمت والے خدا کا دامن اصل میں حقو ہے تھام لیا خدا نے فرمایا ٹھہر جا یہ اس کا مسکن ہے جو تیری گرہ کاٹنے سے بچے گا کیا تم اس سے خوش نہیں کہ جو تجھ کو ملائے اس کو میں اپنے لے ملاؤں جو تجھ کو کاٹے اس کو میں اپنے سے کاٹوں۔

یعنی رحم مادر اور اس رحمان کے رحم و کرم کے درمیان حرفوں کا یہ اشتراک محبت کے معنوی اشتراک کے بھید کو کو فاش کرتا ہے اور اس سے وہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے جو اسلام کی نظر میں فرمایا۔

(۱۲) وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَآءَ لُونَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ (النساء۔ ۱)

اور جس خدا کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے درخواست کرتے ہو اس کا اور رشتوں کا خیال رکھو یہ پہلا حکم ہے جو تمہید کے بعد ارشاد فرمایا گیا

ہے اور تمام تعلقات قرابت کی نگہداشت پر حادی اور شامل ہے۔

۱- احادیث رسول اور صلہ رحمی کی اہمیت

صلۂ رحمی کے معنی اور اس کے فضائل :۔ لفظ ارحام رحم کی جمع ہے رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے پہلے ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے چونکہ ذریعہ قرابت یہ رحم ہی اس لئے اس سلسلے کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ کی بنیادی پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہو گئے ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی برتنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبسَطَ لَهٗ فِي رِزقِهٖ وَ يُنْسَأَ لَهٗ فِي اِثْرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (مشکوٰۃ ص ۴۱۹)

صلہ رحمی کی بعض دنیوی برکات :۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔ جو کوئی یہ چاہیے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تا دیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں کے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلۂ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک وہ

مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اپنے قرابت کی مالی خدمت کرے دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے عین مطابق ہے۔

اسباب نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ مین آنیوالی ہے یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندان جھگڑے ار خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں" آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کرھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متاثر کرتی ہیں لیکن یہ لوگ اہل خانہ اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوشدلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شاملِ حال رہتا ہے۔

ہمارے ایک انتہائی قریبی عزیز نے رسول اللہ ﷺ کی سنہری ہدایت (قرابت والوں سے صلہ رحمی) کو پس پشت ڈال کر ہمیں انتہائی پریشان کر دیا اور خود بھی پریشان ہوا یہ سب کچھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات و ہدایات کی خلاف ورزی اور دین سے جہالت کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ ہم کو

دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔

جنت میں لے جانیوالا عمل :۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے لیئے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے آپ نے فرمایا۔

یاایھا الناس اَفْشُو السّلاَمَ وَ اَطعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُو اَلْاَرْحَامَ وصلّوْا بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ تدْخُلُوْ الْجنَۃَ بِسَلَامٍ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو اللہ کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو اللہ کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو جب کہ عام لوگ نیند کے مزے میں ہوں یاد رکھو ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔

لَوْ اَعْطَیْتِھَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لاِ جْرِكِ (مشکوۃ ص ۱۷۱)

اگر تم اپنے ماموں کو دیدیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

اسلام میں غلام باندی کو آزاد کرنے کی بہت ترغیب ہے اور اسے

بہترین کار ثواب قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کا مرتبہ اس سے بہر حال اعلیٰ ہے اسی مضمون کی ایک اور روایت ہے آپ نے فرمایا

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَ هِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ (مشکوٰۃ ص ۱۷۱)

یعنی کس محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے۔ اور اپنے کسی عزیز کی مدد کرنا دو امروں پر مشتمل ہے ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔

صرف مصرف کے تبدیل کرنے سے دو طرح کا ثواب مل جاتا ہے

حضرت سلمان بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

صدقہ عام مسکینوں فقیروں کو دینے میں تو صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر اپنے ذی رحم رشتہ دار کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا یعنی رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا (مشکوٰۃ ص ۱۷۱)۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں والا اعرابی رسول اللہ ﷺ کے مکان پر حاضر ہوا اور سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ وہ کونسا عمل ہے۔ جو مجھے جنت کے قریب اور جہنم سے دور کر دے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو (بغوی)

صلہ رحمی کے لئے نسب نامہ محفوظ رکھنا :۔ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے تعلقات کو نبھانے ہی کے خیال سے رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے نسب ناموں کو محفوظ رکھو جن کے ذریعہ تم اپنی رشتہ داریاں محفوظ رکھ سکو اور تم ان کے حقوق ادا کر سکو پھر ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی کے فوائد یہ ہیں کہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور مال میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے (ترمذی ص ۳۵۱ ج ۴)

بڑی صلہ رحمی: ۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے باپ کے بعد ان کے دوستوں سے وہی تعلقات قائم رکھے جو باپ کے سامنے تھے (مسلم شریف ص ۱۱۰ ج ۱۶)۔

جنت میں جانے سے روکاوٹ بننے والا عمل: ۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (مشکوۃ ص ٤١٩)

قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔

اسی ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کسی درجہ کا گناہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جا سکے گا ہاں جب اس کو سزا دے کر پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو

معاف کر دیا جائے گا تو جا سکے گا جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لئے بند رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا جب ان سے فارغ ہوا تو صلہء رحمی کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ مقام اس شخص کا ہے جو تیرے ساتھ قطع رحمی سے پناہ چاہئے فرمایا ہاں کیا تو پسند کرتی ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ احسان کروں گا جو تجھے قائم گا اور اس شخص سے قطع تعلق کروں گا جو تجھ سے منقطع کرے گا صلہء رحمی نے کہا بالکل درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا مقام ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے ثبوت میں ذیل کی آیت پڑھو (اے منافقو) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے (مسلم ص ۱۱۲ ج ۱۶)

حضرت ابو سفیان (اپنی لمبی حدیث میں جو ہرقل کے واقعہ پر مشتمل ہے) روایت کرتے ہیں کہ ہرقل نے ابو سفیان سے پوچھا کہ وہ پیغمبر تم کو کس بات کا حکم دیتا ہے ابو سفیان کہتے ہیں میں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور جو باتیں تمہارے آباؤ و اجداد کہتے ہیں چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز ادا کرنے سچ بولنے اور پاک دامنی اور صلہء رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں (بخاری ص ۔ ج ۱)۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی :۔ خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ دار اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے رسول اللہ ﷺ ہدایت فرمائی کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِىْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا (مشکوۃ ۴۱۹)

وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو صلہ رحمی کرنے والے اپنے اقربا کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے صلہ رحمی کا حق ادا کرنیوالا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم اور حق تلفی) کا معاملہ کریں۔

ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے بر عکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ دیر سویر ان کی اصلاح ہو گی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہو گا۔

قطع رحمی کرنے والے منہ میں گرم راکھ :۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے قریبی رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں تو ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ قطع رحمی کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتا ہوں لیکن وہ بے مروتی کرتے ہیں اور میں بردباری اختیار کرتا ہوں لیکن وہ جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تو ایسا ہی کرتا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو تو ان کے منہ میں گرم خاکستر ڈال رہا ہے اور خدا کی طرف سے ہمیشہ ان کے خلاف تیرا مددگار تیرے ساتھ رہے گا جب تک کہ تو اس حالت میں رہے گا (مسلم ص ۳۱۵ ج ۲)۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا۔

لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِ قَاطِعُ رَحِمٍ (مشکوٰۃ ص ۴۲۰)

اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

قطع رحمی کی سزا دنیا میں :۔ حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ جلدی دنیا میں سزا دے سوائے قطع رحمی اور سرکشی اور بغاوت کے (الادب المفرد للبخاری ص ۲۷)۔

ہر جمعرات کو اعمال کی پیشی :۔ حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ ہر جمعرات کو اللہ کے حضور بنی آدم کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو ان میں سے قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں ہوتا (مشکوٰۃ ص ۴۲۷ ج ۲)

صلہ رحمی کا ایک واقعہ :۔ امین اور مامون دونوں ہارون الرشید کے بیٹے تھے امین ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا اور مامون ایک لونڈی کے بطن سے جس کا نام مراجل تھا ہارون الرشید کی وفات پر امین تخت پر بیٹھا جو بڑا عیش پسند تھا پھر اس نے اپنے دودھ پیتے بچے کو ولی عہد بنانا چاہا حالانکہ بموجب تحریر ہارون الرشید اس کا ولی عہد مامون تھا اس دونوں بھائیوں میں سخت لڑائی ہوئی جس میں مامون مقتول ہوا اور مامون تختِ خلافت پر بیٹھا تو زبیدہ والدہ امین مقتول نے مامون کے نام یہ خط لکھا۔

اے امیر المؤمنین ہر ایک قصور اگرچہ وہ بڑا ہے تیری بخشش کے سامنے چھوٹا ہے اور ہر ایک لغزش خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو تیری درگزر کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا خدا نے تجھے خوگر بنایا ہے ۔ پس خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری نعمت عام کرے اور بھلائی کو تیرے ذریعے ہمیشہ رکھے اور برائی کو تجھ سے دور کرے یہ اس غمگین کا رقعہ ہے جو زندگی میں مصائب زمانہ کو دور کرنے کے لئے تیری امیدوار

ہے اور مرنے کے بعد تجھ سے اچھے ذکر کی امید رکھی ہے پس تم اگر میری ضعیفی عاجزی اور قلت حیلہ پر رحم کرنا مناسب سمجھتے ہو اور اس بات کو اچھا خیال کرتے ہو تو مجھ سے صلۂ رحمی کرو اور برضاء رغبت اس میں ثواب کی امید رکھو کہ جس کے لئے تمہیں خدا نے بنایا ہے تو کرو اور اس شخص کو یاد کرو اگر جو اگر زندہ ہوتا تو تجھ سے میری سفارش کرتا جب مامون نے اس رقعہ پر مطلع ہوا تو اپنے سوتیلے بھائی پر رویا اور اپنی سوتیلی والدہ زبیدہ کے لئے نیا نرم ہوا اور اس کی طرف یہ خط لکھا۔

رشتہ عمر آمد شاید بدست آوردہ است
ہر کسے بر مرگ دشمن شادمانی می کند

اے والدہ! خدا تیری نگہبانی کا متولی ہو تیرا رقعہ ملا اور میں اس پر مطلع ہوا خدا شاہد ہے کہ وہ تمام باتیں جو تو نے اس میں لکھی ہیں مجھے بھی بری معلوم ہوئی ہیں مگر کیا کروں تقدیریں نافذ ہوتی ہیں اور مامور تصرف کرتے رہتے ہیں اور احکام جاری ہوتے ہیں اور تمام خلقت ان کے قبضہ میں ہے اور کوئی ان کے دفع کرنے پر قادر نہیں سب دنیا پراگندہ ہونے والی ہے اور ہر زندہ موت کی طرف جانے والا ہے غدر وبغاوت انسان کی موت کا باعث ہیں اور شکر کا فائدہ شاکر کی طرف لوٹتا ہے میں نے ان تمام چیزوں کے واپس کرنے کا حکم دیا ہے جو تجھ سے لی گئی تھیں اور اب تو سوائے مرنے والے یعنی امین کی ذات کے اور کسی چیز کو گم نہیں پاؤ گی یعنی اب امین تو ہاتھ نہیں آسکتا مگر باقی تمام اشیاء اس وقت تیرے پاس پہنچ کر دیکھنا ہی مہیا ہو جائیں گی اور میں بعد ازیں تیرے لئے ان چیزوں سے بھی زیادہ کا ذمہ دار ہوں جو تو پسند کرے گی (مخزن اخلاق ص ۴۲۲)

ہماری چند خوبصورت اور معیاری مطبوعات

















